امتِ مسلمہ کا عروج و زوال

اسباب، وجوہات، تدارک

پروفیسر حبیب اللہ چشتی





اُمّتِ مُسلمہ کا
عروج وزوال

(اسباب، وجوہات، تدارک)

مُصنّف
پروفیسر حبیبُ اللہ چشتی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور — کراچی — پاکستان

نام کتاب	امت مسلمہ کا عروج و زوال
مصنف	پروفیسر حبیب اللہ چشتی
اشاعت	اپریل 2005ء
تعداد	ایک ہزار
مطبع	اوریلیا پرنٹرز، لاہور
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z457
قیمت	[redacted] روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

ارشاد باری تعالیٰ

وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٣٩ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ
مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
الظّٰلِمِيْنَ ۝١٤٠ وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ
الْكٰفِرِيْنَ ۝١٤١ (آل عمران)

’’اور ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ اگر تمہیں کوئی زخم پہنچے تو دشمن کو بھی زخم پہنچا ہے اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیاں بدلتے رہتے ہیں تا کہ اللہ ایمان والوں کو پرکھ لے اور تم میں سے کچھ لوگوں کو درجہ شہادت پے فائز کرے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا اور تا کہ اللہ ایمان والوں کو چھانٹ لے اور کافروں کو مٹا دے‘‘۔

انتساب

میر کارواں،
صلی اللہ علیہ وسلم
کے حضور
اس التماس کے ساتھ

کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری

(اقبالؒ)

محمد حبیب اللہ چشتی

مولای صل وسلم دائمًا ابدًا
علی حبیبك خیر الخلق کلهم

هو الحبیب الذی ترجی شفاعته
لکل هول من الاهوال مقتحم

یارب بالمصطفیٰ بلغ مقاصدنا
واغفرلنا ما مضی یا واسع الکرم

(امام بوصیری)

سوئے منزل

امتِ مسلمہ کا عروج بھی قابلِ دید تھا اور زوال بھی باعثِ عبرت ہے کسی بھی قوم کا نہ عروج اتفاقی ہوتا ہے اور نہ زوال حادثاتی۔ بلکہ عروج بھی فطرت کے قوانین کا پابند ہوتا ہے اور زوال بھی قدرت کے ازلی اصولوں کے تحت۔ اسی ناقابلِ تغیر قانون کے تحت ملتِ اسلامیہ کے عروج وزوال کے اسباب کو سمجھنا ہمارا مذہبی فریضہ بھی ہے۔ اور زوال کی پستیوں سے اٹھ کر پھر عروج پانے کا ذریعہ اور زینہ بھی۔

امت مسلمہ کیسے تشکیل پائی؟

وہ کیا اوصاف اور خوبیاں تھیں جن کے سبب اس قوم نے صحراؤں سے اٹھ کر ایران و روما کی سلطنتوں کو پلٹ دیا۔ یہ قوم بڑھی اور بڑھتی چلی گئی۔ فتوحات ان کا مقدر بنیں اور عزتیں ان کا نصیب۔ زمانے کو اس قوم نے امن و آشتی کی دولت بھی دی۔ اور علم وحکمت کے گوہر بھی۔ یہ قوم دنیا کو توہمات کے جہان سے نکال کر حقائق کی روشنی میں لائی۔ اس قوم نے چار دانگِ عالم میں صرف ابدان پر حکومت نہیں کی بلکہ دلوں کو مسخر کیا اور روحوں پے راج کیا۔

لیکن پھر اس قوم پر زوال پوری شدت کے ساتھ آیا۔ ان کی عزتیں خاک میں مل گئیں۔ ان کی فتوحات شکست کا روپ دھار گئیں اور بقول دانائے راز ؎

ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

زمانے کو راہ دکھانے والے خود دوسروں کے اشاروں پر چلنے لگے۔

وہ کیا وجوہات تھیں جنہوں نے اس قوم کو فاتحِ عالم بنایا اور وہ کیا اسبابِ تھے جن کے سبب ان سے عزتوں اور فتوحات کے تاج چھین لئے گئے۔

آئندہ صفحات میں انہیں سوالوں کا جواب دینے کی ایک کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ ہم میں سے ہر فرد سوچے کہ وہ کہاں کھڑا ہے؟ دوسروں پر تنقید کرنے کی بجائے وہ غور کرے کہ وہ اپنی

حدتک ملتِ اسلامیہ کو زوال کی طرف لے جا رہا ہے یا عروج کی منزلوں کی جانب کیونکہ

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اس میں جو حق اور صواب ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم اور حضور نبی رحمت ﷺ کی نظرِ رحمت کا صدقہ ہے۔ اور جو خطا اور غلطی ہے وہ میری قلتِ علمی اور کم نظری کی وجہ سے ہے۔ میں اپنے معزز قارئین سے التماس کرتا ہوں کہ مجھے میری غلطیوں اور خامیوں سے مطلع فرمائیں تا کہ ان کی اصلاح کر کے اس کتاب کو بہترین طرز پر ملتِ اسلامیہ کی خدمت میں پیش کیا جا سکے۔

دعا ہے کہ خداوند جلیل میری اس حقیر سی کاوش کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرمائے۔ اپنے کرم سے اسے قبولیت عامہ عطا فرمائے اور اسے میرے لیے، میرے شیخ طریقت، معزز اساتذہ، والدین اور میرے جملہ احباب کیلئے اپنی رضا اور حصول جنت کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین۔

طلبگارِ رحمتِ پروردگار

پروفیسر حبیب اللہ چشتی

ایف۔ جی پوسٹ گریجوایٹ کالج H-8

اسلام آباد

14۔ ربیع الثانی 1425ھ

بمطابق 5 - جون 2004ء

تشکیلِ امتِ مسلمہ

مسلمان ایک قوم ہے،

جو عرب کے صحراؤں سے اٹھی جس نے انتہائی قلیل عرصہ میں دنیا کا نقشہ بدل دیا۔ عرب جس کے مطیع ہوئے۔ ایرانی باجگزار بنے اور رومی ٹیکس دہندہ۔

عرب کے ریگزاروں سے اٹھنے والی یہ قوم ایک عجیب اور حیران کن قوم تھی۔ دنیا جن کی ترقی کا راز سمجھنے سے درماندہ ہوگئی۔ یہ لوگ بھوک کی وجہ سے پیٹ پے پتھر باندھے ہوئے ہوتے لیکن بڑے بڑے لشکروں کو تہہ و بالا کردیتے۔ چیتھڑوں میں ملبوس ہوتے اور شہنشاہوں کی قبائیں نوچتے۔ یہ قوم بڑھی اور بڑھتی چلی گئی۔ پھیلی اور پھیلتی گئی۔ فتح ان کا مقدر اور نصرت انکی تقدیر تھی۔ یہ جدھر نظر اٹھاتی اور جدھر قدم بڑھاتی وہ زمیں انکی زمیں اور وہ جہاں اس کا جہاں ہوتا۔

اپنے اعلیٰ اور مقدس مقصد کے لئے یہ قوم معرکہ ہائے کارزار میں کود پڑتی۔ خوشکیوں میں جنگ لڑتی۔ دریاؤں میں معرکے بپا کرتی۔ کبھی یورپ کے کلیساؤں میں اذانوں کی آوازیں بلند کرتی اور کبھی افریقہ کے تپتے صحراؤں میں نعرہ ہائے تکبیر کے نغمے الاپتی۔ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتی اور تلواروں کی چھاؤں میں توحید کے گیت گاتی۔ بڑھی اور بڑھتی ہی گئی۔

امتِ مسلمہ کا عصرِ حاضر کا حدی خواں اقبال اس منظر کی جلوہ کشی یوں کرتا ہے۔

محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے — مئے توحید کو لیکر صفت جام پھرے
کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے — اور معلوم ہے تجھ کو کبھی نا کام پھرے

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

یہاں تک کہ ابھی پہلی صدی ہجری ختم نہ ہوئی تھی کہ مشرق میں سندھ اور چینی ترکستان تک اور مغرب میں اندلس تک انکی حدود سلطنت پھیل گئیں۔ اور پھر یہ صرف تلواروں کی فتح

نہیں تھی صرف سیاسی غلبہ اور اقتدار نہیں تھا۔ بلکہ یہ قوم دلوں پہ راج کرتی تھی۔ اس کے مفتوحہ علاقے خالص اسلامی تہذیب کا مرکز بن جاتے تھے۔

اس قوم نے علوم وفنون کے دریا بہائے۔ ایجادات واختراعات کی ایک ختم نہ ہونے والی فہرست کا سہرہ اس قوم کے سر ہے۔ اس قوم نے زندگی کے ہر میدان میں دنیا کی امامت کی۔

سوال یہ ہے کہ اس قوم کی تشکیل کس نظریہ پر ہوئی۔ اور اسکی فلک بوس عمارت کن بنیادوں پر اٹھائی گئی۔ وہ کیا چیز تھی جس نے انسان کو کلی طور پر بدل دیا۔ منتشر افراد اتحاد کا پیکر بن گئے۔ حروف ابجد سے ناواقف مسند علم وحکمت کے تاجدار بن گئے۔ زندہ جانوروں کا گوشت کاٹ کے کھا جانے والے اتنے رحمدل بن گئے کہ اگر کبوتری ان کے خیمہ میں انڈہ دے دے تو وہ خیمہ چھوڑ دیتے ہیں تا کہ کبوتری کا انڈہ نہ ٹوٹے۔ دنیا میں مگن رہنے والے اور بتوں کی ڈنڈوت بجالانے والے نشۂ توحید میں اس قدر سرمست ہو گئے کہ وہ راتوں کے راہب اور دنوں کے شہسوار بن گئے۔ ان کی رہبانیت بھی اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کیلئے تھی اور شہسوار بھی اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھی۔

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے
کھیلنے جانے لگے ایوان گہ کسریٰ میں شکار
یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہزن
فاش کرنے لگے جبریل امیں کے اسرار

بنائے امتِ مسلمہ

دنیا میں بہت سی اقوام پائی جاتی ہیں۔ ہر قوم یا تو اشتراک رنگ ونسل سے تشکیل پاتی ہے۔ یا علاقہ کی وحدت و یگانگت اسے ایک قوم کے روپ میں ڈھال دیتی ہے جیسے جرمن ایک قوم ہے اور روم ایک قوم۔ کبھی کبھی وحدت زبان بھی قوم کی بنیاد بن جاتی ہے جیسے عرب ایک قوم اور عجم ایک قوم۔

لیکن مسلمانوں کی قومیت کا سبب نہ رنگ کا اتحاد تھا نہ زبان کا نہ علاقہ کی یگانگت اس کا ذریعہ بنی اور نہ ہی کوئی جغرافیائی عوامل بلکہ مسلم قومیت کی بنیاد صرف اور صرف کلمہ طیبہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

تھی، ہے اور رہے گی۔

جس نے بھی اس کلمہ طیبہ کا اقرار کرلیا۔ وہ کسی قوم کا ہو، کوئی رنگ رکھتا ہو، کوئی زبان بولتا ہو، اور دنیا کے کسی خطہ سے تعلق رکھتا ہو وہ ایک قوم بن گئے۔

وہ مکے کا ابوبکر، روم کا صہیب ہو، فارس کا سلمان ہو یا حبشہ کا بلال رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ جو بھی اس کلمہ طیبہ کا اقرار کرتا گیا۔ اسی قوم کا فرد بنتا گیا۔

ہزاروں قومیں وجود میں آئیں
دہر میں خشک و تر کے رشتہ سے
ہم نے بنیاد دوستی رکھ لی
یادِ خیر البشر کے رشتہ سے

امتیازات اور تفاوت کی تمام بنیادیں منہدم ہوتی گئیں۔ جو یہاں سے آیا، جو بھی زبان بولتا ہو، جو بھی رنگ رکھتا ہو، جس بھی قبیلے کا فرد اور جو بھی ہو اس قوم کی پہچان کلمہ طیبہ تھا جس نے بھی اس کلمہ طیبہ کا اقرار کیا وہ مسلم قوم کا ایک فرد بن گیا۔ حکیم الامت حضرت اقبالؒ کے خوبصورت اور جامع الفاظ میں۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
ان کی جمیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمیت تری

اسی وحدت نے انہیں ایک قوم بنا دیا۔

بنائے ملت کی اسی فکر کا ایک عملی مظاہرہ "مؤاخات مدینہ" کے روپ میں دنیا نے

دیکھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے ایک مہاجر اور ایک انصار کو بھائی بھائی بنا دیا۔ محبت، اخوت اور بھائی چارہ کے جو مظاہر یہاں دیکھنے میں آئے دنیا کی تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ وہ بھائی بھائی نہ رہا جو اگرچہ ماں جایا ہے لیکن اخوت اسلامی اور قومیت کلمہ میں نہیں آیا۔ اور وہ بھائی بھائی ہے جو اگرچہ اجنبی ہے لیکن کلمہ طیبہ کے اقرار نے اسے مسلم قومیت کا ایک فرد بنا دیا ہے۔

اسی نظریہ قومیت کا ایک مظاہرہ غزوہ بدر کے پس منظر میں دیکھا جائے کہ جب جنگ کے لئے صف بندی ہوئی تو بیٹا باپ کے مقابلہ میں تھا۔ بھائی بھائی کا مقابل تھا اور ماموں کا حریف اس کا بھانجا تھا۔ کسی نے اپنے باپ کو قتل کیا اور کسی نے ماموں کو۔ تاکہ اس بات کو عملی شکل میں عیاں کر دیا جائے کہ جو کلمہ طیبہ کے دائرہ میں نہیں آیا وہ ہماری قوم کا فرد ہی نہیں اگرچہ بظاہر جتنا بھی قریبی ہو اور بدر کے قیدیوں کے متعلق سیدنا فاروق اعظمؓ نے یہی مشورہ دیا تھا کہ یارسول اللہ! میرے رشتہ دار میرے حوالے کر دیئے جائیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار ابو بکر کے حوالے کر دیئے جائیں۔ ہر مسلمان کے قیدی رشتہ دار اس کے حوالے کر دیئے جائیں وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر دے تاکہ زمانے پر واضح ہو جائے کہ جو مسلمان نہیں ہے وہ ہمارا کچھ نہیں لگتا۔

ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ نے بنائے قومیت اسی چیز کو قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ الخ (المجادلہ: 22)

”تم ایسی قوم نہیں پا سکتے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھے جو اللہ اور اسکے رسول کے مخالف ہوں۔ اگرچہ وہ انکے باپ یا انکے بیٹے یا ان کے بھائی یا انکے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں“۔

اس قوم کی بنیاد اور پہچان تو صرف اور صرف اسلام ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ

عنہ فارس سے آئے تھے لیکن ان کے متعلق نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے سلمان منا اھل البیت۔ سلمان تو ہم میں سے ہے وہ ہمارے اہل بیت کا ایک فرد ہے۔ جب کسی نے حضرت سلمانؓ سے پوچھا۔ آپکے باپ کا کیا نام ہے تو فرمایا:

انا سلمان ابن اسلام ابن اسلام

''میں سلمان ہوں میرے باپ کا نام بھی اسلام ہے اور میرے دادا کا نام بھی اسلام ہے''۔

الغرض مسلمان قوم کی بنیاد اور اساس اسلام اور صرف اسلام ہے۔ یہ اسی بنیاد پر تشکیل پائی اور اسی بنیاد پر پروان چڑھی اس کی ابتداء اور انتہا یہی نظریہ ہے۔

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی
بتان رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

(اقبال)

اوصافِ امتِ مسلمہ

یقین محکم، عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دل گرمے، نگاہ پاکے، جان بیتابے

(اقبال)

نظریہ عمل کی بنیاد بنتا ہے۔ بدن تو نظریے اور فکر کا غلام ہوتا ہے۔ اگر ایک انسان کا نظریہ ہی یہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے تو آخر وہ عبادت کی مشقتیں کس طرح اٹھائے گا؟ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنی جان کا نذرانہ کس طرح پیش کرسکتا ہے؟

مسلم قومیت کی بنیاد جس اعلیٰ اور بلند تر نظریہ پر رکھی گئی وہ نظریہ توحید و رسالت ہے نظریہ توحید کوئی صرف ایک تاریخی نظریہ نہیں ہے کہ جو بندے کی زندگی پر کوئی اثر مرتب نہ کرے جیسے سومنات کا مندر محمود غزنوی نے فتح کی تھا یا سبکتگین نے۔ اس سے عملی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

بلکہ توحید کا نظریہ ایک ایسا انقلابی نظریہ ہے جو ایک انسان کو مکمل طور پر تبدیل کر دیتا ہے۔ عقیدہ توحید کا اقرار مکمل خود سپردگی اور اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقتی غلامی کا نام ہے کہ بندہ اللہ سے وعدہ کرتا ہے کہ میں تیرا عبد ہوں۔ میں زندگی کے ہر قدم پر تیرا حکم بجالاؤں گا۔ اپنی خواہش کو تیری رضا کے آگے قربان کروں گا۔ میرا سر تیری بارگاہ عالی میں جھک گیا ہے اور جھکا رہے گا۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رہے گا
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

(مولانا ظفر علیخان)

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا۔ میں نے اس سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ کہنے لگا حضور! غلاموں کے نام نہیں ہوتے جس نام سے بھی پکارو گے میں حاضر ہوں۔ میں نے پوچھا کیا پہنتے ہو؟ کہنے لگا حضور! غلاموں کی کوئی مرضی نہیں ہوتی جو بھی پہناؤ گے خوشی سے پہن لوں گا۔ میں نے پوچھا کیا کھانا پسند کرو گے کہنے لگا جناب غلاموں کی کوئی خواہش نہیں ہوتی جو بھی کھلاؤ گے میں خوشی سے کھالوں گا۔ آپ فرماتے ہیں میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے میں نے کہا کاش میں بھی اپنے

رب کا ایسا ہی بندہ ہوتا۔ وہ مجھے جو حکم دیتا میں تعمیل ارشاد میں دوڑ پڑتا۔ وہ مجھے جو دیتا میں بخوشی لے لیتا وہ مجھ سے جو لیتا میں بصد خوشی اسکے حضور پیش کر دیتا۔

عقیدہ توحید کا اقرار ایسی ہی مکمل خود سپردگی کا نام ہے۔ شاید یہی سبب ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے توحید کی دعوت ہی دی کیونکہ یہی عقیدہ اگر درست ہو جائے تو پورے کا پورا انسان تبدیل ہو جاتا ہے۔

یہ نظریہ انفرادی طور پر انسان میں عزت نفس، رجائیت، تقوی، تدین، عجز و انکسار اور اعلی مقصد سے والہانہ لگن جیسی صفات حمیدہ پیدا کرتا ہے اور اجتماعی طور پر سیاست میں خلافت، معیشت میں امانت اور معاشرت میں مساوات انسانی کا عظیم انقلاب پیدا کرتا ہے۔

نظریہ توحید جس والہانہ خود سپردگی اور اقرار عبدیت کا نام ہے رسالت اسی کے اظہار کی عملی صورت ہے کلمہ طیبہ جو مسلم قومیت کی بنیاد بنا اقرار توحید و رسالت کے دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ غور فرمایئے جس قوم کی بنیاد ہی اتنا اعلی نظریہ ہو اس قوم کے بلند مقاصد اور اعلی جدوجہد کا اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو بھی اس نظریہ کو قبول کرتا گیا ایک دوسرا انسان بنتا گیا۔ اس کا جینا اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے بنتا گیا۔ اسکی زندگی کا مقصد صرف اور صرف اعلائے کلمۃ اللہ بن گیا۔ ان کی جملہ محنتیں اور کاوشیں رضائے الٰہی کے لئے وقف ہو گئیں۔ اسی کی منظر کشی کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں۔

ہم جو جیتے تھے، تو جنگوں کی مصیبت کے لئے　　اور مرتے تھے تیرے نام کی عظمت کے لئے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لئے　　سر بکف پھرتے کیا دہر میں دولت کے لئے

قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی

اس نظریہ نے انہیں اوصاف حمیدہ کا پیکر بنا دیا۔ یہ لوگ کیسے بدل گئے۔ اللہ رب العزت نے اسی پس منظر میں فرمایا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ (الفتح:29)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر بڑے سخت اور آپس میں بڑے رحمدل۔ تم ان کو رکوع اور سجدوں میں دیکھو گے وہ اللہ کا فضل اور اسکی رضامندی کی طلب میں لگے رہتے ہیں''۔

کہنے کو تو کوئی کچھ بھی کہہ سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی تمام عزتوں اور عروج کا سبب یہی اوصاف وکمالات تھے۔

آیئے امتِ مسلمہ کے اوصاف وکمالات جو ان کی ترقی اور عظمت کا باعث بنے کی چند جھلکیاں دیکھیں تا کہ واضح ہو کہ اس نظریہ نے انھیں کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ ان کے اوصاف کی ابتدا اسی آیت کریمہ سے کرتے ہیں پھر چند دیگر اوصاف کا بھی تذکرہ ہوگا

اَقُوْلُ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِیْق

باطل سے سمجھوتہ نہ کرنے والے

ان کے تمام رشتوں اور تعلقات کی بنیاد ایمان اور صرف ایمان تھا وہ ہر چیز پر ایمان کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ باطل سے کسی قسم کا کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے تھے۔ یہ چیز نا قابلِ تصور تھی کہ وہ کسی بھی ذاتی مفاد اور باہمی اختلاف کی بنا پر کسی بھی طور پر باطل سے کوئی معاہدہ کریں ان کے باہمی حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں وہ بہر طور باطل کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ ان کا ایمان ان کی ذاتیات پر بہت مقدم تھا۔ قرآن کریم نے ان کی اسی صفت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ ''وہ کفار پر بڑے شدید ہیں'' یہاں اشداء سے کیا مراد ہے۔ عصرِ حاضر کے مایہ ناز مفسر جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری اس پس منظر میں فرماتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی توصیف فرما رہا ہے فرمایا کہ میرے رسول مکرم پر ایمان لانے والے اور اس کی صحبت سے فیض یاب ہونے والے کفار کے مقابلے میں بڑے

بہادر، بڑے طاقتور ہیں یہ سر کٹا سکتے ہیں لیکن ظلم کے سامنے اسے جھکا نہیں سکتے۔ یہ بکاؤ مال نہیں کہ دشمنان اسلام ان کو خرید لیں، یہ بزدل اور ڈرپوک نہیں کہ جور و ستم سے ان کو اس راہِ محبت سے برگشتہ کیا جائے۔ اشداء شدید کی جمع ہے اور لفظ شدت کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور نے لسان العرب اور علامہ زبیدی نے تاج العروس میں لکھا ہے۔

اَلشِدَّةُ: اَلنَّجْدَة وَ ثبات القَلْبِ وَ الشَّدِيْدُ : الشُّجَاعُ وَ القُوٰى مِنَ الرِّجَالِ و الْجَمْعُ اَشِدَّاءُ (تاج العروس) یعنی شدت قوت اور دل کی محکمی کا نام ہے اور الشدید، شجاع اور طاقتور مرد کو کہتے ہیں اس کی جمع اشداء ہے"۔(1)

باطل سے کبھی نہ دبنا اور اسکے آگے ڈٹ جانا ان کا طرۂ امتیاز تھا یہ باطل کو کبھی بھی اپنا نہیں سمجھتے تھے۔

غزوہ بدر میں جو ہوا کہ باپ بیٹے کے مقابلے میں، بھائی بھائی کے مقابلہ میں اور بھانجا ماموں کے مقابلہ میں صف آراء تھا اسی کی ایک عملی تفسیر ہے۔ غزوہ بدر کے بعد ایک دن جب حضرت ابوبکر صدیق سے انکے بیٹے نے کہا کہ ابا جان بدر میں ایک موقع پر آپ میری تلوار کی زد میں تھے میں نے صرف اس لئے آپ پر وار نہ کیا کہ آپ میرے والد تھے۔ تو آپ نے فرمایا بیٹا! تو تو کفر کی محبت میں لڑ رہا تھا اور باپ ہونے کا لحاظ کر گیا۔ اگر تو میری تلوار کی زد میں آتا تو میں کبھی نہ سوچتا کہ میرا بیٹا ہے میں یہی سوچتا کہ اسلام کا دشمن ہے اور تیرا سر اڑا دیتا۔

وہ حق کے مقابلہ میں کسی کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہی حکم دیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳ (توبہ)

1۔ ضیاء القرآن، جلد 1، صفحہ 567

"اے ایمان والو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کریں۔ اور تم میں سے جو انھیں اپنا دوست بنائیں گے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں"۔

حق انہیں اتنا محبوب تھا کہ وہ کسی اور طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے لوگوں کو ہم سے بات کرنے سے روک دیا۔ تو کوئی ہم سے بات کرنا گوارا نہ کرتا تھا۔ زمیں باوجود اپنی وسعتوں کے ہم پر تنگ ہوگئی۔ اسی مقاطعہ کے زمانہ میں غسان کا عیسائی بادشاہ مجھ سے اپنی ہمدردی کا اظہار کرنے لگا اور مجھے اپنے دربار کی پیش کش کرنے لگا۔ میں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ ایک نبطی مدینہ کے بازار میں میرا پتہ پوچھ رہا تھا۔ یہ سن کر لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے۔ اس نے میرے پاس پہنچ کر شاہِ غسان کا ایک خط میرے حوالے کیا۔ میں نے اسے پڑھا اس میں لکھا ہوا تھا۔

"ہمیں خبر ملی ہے کہ تمہارے آقا نے تم سے بے رخی اختیار کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلت کے لئے نہیں رکھا اور وہ تمہیں ضائع نہیں کرنا چاہتا بس تم ہم سے مل جاؤ۔ ہم تمہارا بہت خیال کریں گے۔ میں نے جب خط پڑھا تو میں نے کہا یہ دوہری آزمائش ہے۔ اور میں نے جا کر اس خط کو تنور میں پھینک دیا"۔(1)

وہ باطل کی طرف کبھی نہ دیکھتے تھے اور باطل سے کسی حال میں کبھی کوئی سمجھوتہ نہ کرتے تھے۔

تاریخ کے صفحات نے یہ منظر بھی محفوظ کر لیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں باہمی جنگ و جدل کا ماحول تھا قسطنطنیہ کی عیسائی حکومت نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس نے ایک بڑی فوج جمع کر کے ایران کے شمالی صوبوں پر حملے کی تیاری شروع کر دی اور یہ علاقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت میں

1۔ صحیح بخاری کتاب المغازی حدیث 1544

شامل تھا۔ اگر یہ حملہ ہو جاتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے واقعی بہت سی مشکلات پیدا ہو جاتیں اور ظن غالب تھا کہ اسلامی خلافت کا ایک وسیع علاقہ کٹ کر عیسائی سلطنت میں شامل ہو جائے۔

مگر اس موقع پر جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا۔ تو آپ نے قسطنطنیہ کے عیسائی حکمران کو لکھا جس میں آپ نے لکھا:

''اے رومی کتے! اگر تو ہمارے آپس کے اختلافات سے فائدہ اٹھا کر اسلامی خلافت پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جو لشکر تیرے مقابلہ میں نکلے گا معاویہ اس لشکر کا ایک ادنی سپاہی ہوگا''۔

یہ خط پڑھ کر عیسائی حکمران اتنا گھبرا گیا کہ اسے اسلامی علاقہ پر حملہ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

وہ قوم جس نے عرب کے صحراؤں سے اٹھ کر روما کی سلطنت کو پلٹا تھا جو آندھی کی طرح اٹھی اور طوفانوں کی طرح چھائی ان کا پہلا وصف یہ تھا کہ وہ باطل سے کسی صورت کسی بھی قسم کا کوئی سمجھوتہ نہ کرتے تھے۔ حق کے پیروکار جیسے بھی ہوں انکے اپنے تھے اور باطل کے پیروکار جیسے بھی ہوں ان کے دشمن تھے۔ ان کا معیار اور کسوٹی حق تھا ذاتیات نہیں۔ ع

رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن (اقبال)

آپس میں ٹوٹ کر محبت کرنے والے

اقبال نے ایک جگہ بندہ مومن کا تعارف کرواتے ہوئے کہا ہے۔

گر ہو رزم تو شیران غاب سے بڑھ کر
اگر ہو بزم تو رعنا غزالِ تاتاری

یقیناً اقبال نے یہ تصور قرون اولی کے مسلمانوں کی سیرتوں کا گہرا مطالعہ کے بعد ہی اخذ کیا ہوگا۔ وہ دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ تانے پہاڑ تھے لیکن آپس میں غضب کی محبت کرنے والے تھے۔ ان کی محبتوں کا سبب کلمہ طیبہ ہی تھا۔ رحماء بینھم۔ آپس میں بڑے

رحم دل ہیں۔

آسمان کے نیچے جو واحد اخوت کلمہ طیبہ کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی۔ اس نے باہمی محبتوں اور الفتوں کے نئے باب رقم کیے انہوں نے اپنا آدھا مال اپنے مسلمان بھائی کو دے دیا۔ یہاں تک کہ اگر کسی انصاری کی دو بیویاں تھیں تو انھوں نے ایک بیوی اپنے مہاجر بھائی کے عقد میں دینے کی پیش کش کی۔ یہ الگ بات کے خوددار مہاجرین نے انھیں کہا کہ آپ ہمیں بازار کا راستہ دکھادیں۔

باہمی محبتوں کے جو بے مثال نمونے اس مقدس گروہ نے چھوڑے ہیں دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے یہ جنگ میں جان بلب ہوتے ہوئے بھی پانی کا پیالہ اپنے مسلمان بھائی کو دینے کا اشارہ کرتے تھے۔ وہ اگلے کو اشارہ کر دیتا اور وہ اگلے کو یہاں تک کہ پانی کا پیالہ سات لوگوں تک پہنچتا تو پتہ چلتا کہ ساتواں تو جام شہادت نوش کر چکا ہے پھر چھٹے کے پاس پہنچا دیکھا وہ بھی شہید ہو چکا ہے اس طرح ساتوں ہی شہید ہو گئے۔ کیا دنیا کی تاریخ ان محبتوں کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

أُولٰئِكَ آبَاءِيْ فَجِئْنَا بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيْرُ الْمَجَامِعِ

تاریخ نے یہ منظر بھی محفوظ کیا ہے کہ جب کسی نے بکری کی سری کسی مسلمان بھائی کو تحفہ دی اس نے سوچا میرا دوسرا بھائی اس کا زیادہ محتاج ہوگا اس نے اگلے کو بھیج دی اور اس نے اگلے کو یہاں تک کہ وہ سری اسی گھر میں دوبارہ پہنچ گئی جس سے چلی تھی۔

اور باہمی محبتوں کا یہ عالم کہ اپنے مہمان بھائی کو سیر کر کے کھانا کھلانے کیلئے اپنے بچوں کو بھوکا سلا دیتے ہیں کیونکہ کھانا اتنا ہی ہے کہ ایک آدمی ہی پیٹ بھر کے کھا سکتا ہے اور خود چراغ گل کر کے خالی منہ ہلاتے رہتے ہیں تاکہ مہمان سمجھے کہ کھانا کھا رہے ہیں اس طرح وہ بھوکا نہ رہے۔

یہاں انتقام کی آگ بھڑکتی رہتی تھی، جنگ و جدل کے شعلے بلند ہوتے رہتے تھے اور

تلواریں بے نیام رہتی تھیں ان میں محبتوں کے یہ روپ اور الفتوں کی ہی انتہا اسی کلمہ طیبہ کا فیضان تھا جو اس قوم کی بنیاد بنا اور آپس کی یہی چاہتیں ان کی عظمتوں کا ذریعہ بنیں پورا مسلم معاشرہ عملی طور پر جسد واحد بن گیا تھا ایک کا دکھ دوسرے کا دکھ اور ایک کا سکھ دوسرے کا سکھ تھا۔

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
تو ہندوستان کا ہر پیر و جواں بے تاب جائے

کا عملی منظر آتا تھا۔

وہاں خودغرضی نہیں تھی ان کی سوچ یہ نہیں تھی۔

ہوا ہی ایسی چلی ہے کہ ہر شخص سوچتا ہے
تمام شہر جلے ایک میرا گھر نہ جلے

وہ اپنے پاؤ گوشت کیلئے دوسرے کی بھینس ذبح نہیں کرتے تھے بلکہ دوسرے کو پاؤ گوشت دینے کیلئے اپنی بھینس ذبح کر دیتے تھے دوسرے کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتے تھے۔ جب تقوی تدین قرون اولی جیسا نہ رہا یہ منظر تو وہاں بھی دیکھے جاتے رہے کبھی چند بیواؤں اور یتیم بچوں کی آواز پر محمد بن قاسم سندھ تک آ پہنچا اور کبھی اپنی مسلمان بہن کی آواز پر معتصم باللہ اپنے لاؤ لشکر سمیت اسکی مدد کو پہنچا۔

عبادت میں مگن رہنے والے

عبادت اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا اقرار اور اپنے عجز اور درماندگی کا اظہار ہے۔ عبادت بندے کو اللہ کا قرب عطا کرتی ہے اور بندے کا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرتی ہے جب بندہ اللہ کے قریب ہو جائے تو قطرہ سمندر میں مل کر سمندر کی وسعتیں سمیٹ لیتا ہے اور ذرہ صحرا میں جا کر صحرا کی پنہائیاں اپنے جلو میں لے لیتا ہے۔ بقول حضرت حکیم الامت ؒ

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا و کار ساز

جو قوم اٹھی ہی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بنیاد پر تھی۔ وہ تو تھے ہی عبادت کے پیکر، نشہ توحید میں مست رہنے والے اور زندگی کے ہر ہر قدم پر رضائے الٰہی کے طالب۔ رب جلیل ان کا تذکرہ یوں فرماتا ہے۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (الفتح:29)

"تو انہیں رکوع و سجود کرتے ہوئے دیکھے گا۔ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں"۔

عبادت ہی انسان کو خدا اور بندوں کا وفادار بناتی ہے۔ اگر انسان کی زندگی سے عبادت مفقود ہو جائے تو اسے صرف اپنی ذات پیاری ہو جاتی ہے۔ اگر چہ قوم کا سودا کرنا پڑے یا ملک کا غدار بننا پڑے۔ اسی عبادت نے انہیں بے پناہ طاقتوں کا امین بنا دیا تھا۔

عمر فاروقی میں جب ایرانیوں کے ساتھ جنگ جاری تھی۔ ایرانی فوج کے سپہ سالار رستم نے ایرانی جاسوس بھیجے کہ مسلمانوں کی فوجوں کے حالات معلوم کریں اور رپورٹ دیں تاکہ پتہ چلے کہ اس قوم میں عزم و ہمت کا کیا معیار ہے۔ اور ان کے ناقابل شکست ہونے کا سبب کیا ہے۔ یہ قوم اتنی بلندیوں پر کیسے پہنچ گئی۔ ان کے پاس سامان جنگ کی کیا نوعیت ہے؟ فوجیوں کی تعداد کتنی ہے۔ تاکہ ان تحقیقات کی روشنی میں جنگی حکمتِ عملی مرتب کی جا سکے۔ ان جاسوسوں نے مسلمانوں کے لشکر میں گھوم پھر کر حالات معلوم کیے۔ انہوں نے اس مہم میں کامیابی کیلئے کیا کیا جتن کیے ہوں گے۔ کیا کیا پاپڑ بیلے ہوں گے۔ بہر حال انہوں نے رستم کو جو رپورٹ دی۔ اس کے الفاظ یہ تھے۔ یہ عجیب لوگ ہیں۔

هم رهبان بالليل و فرسان بالنهار

"یہ رات کے راہب ہیں اور دن کے شہسوار ہیں"۔(1)

اس قوم کے متعلق ایک رومی سردار اپنے تاثرات کا اظہار یوں کرتا ہے۔

"وہ دن کو شہسوار ہوتے ہیں اور راتوں کو عبادت گزار۔ اپنے مفتوحہ علاقے میں

1۔ منہج انقلاب نبوی، صفحہ 51

بھی وہ قیمت دیکر کھاتے ہیں۔ سلام کر کے داخل ہوتے ہیں اور ایسا جم کر لڑتے ہیں کہ دشمن کا خاتمہ ہی کر دیتے ہیں"۔(1)

ایک اور سردار کہتا ہے۔

"رات کو دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ انہیں دنیا سے کچھ تعلق ہی نہیں۔ انہیں عبادت کے سوا کوئی کام ہی نہیں اور دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر اس طرح نظر آئیں گے کہ گویا کہ انہیں یہی کام ہے۔ بڑے تیر انداز، بڑے نیزہ باز اور خدا کی یاد میں اس طرح مشغول و مگن کہ ان کی مجلس میں کسی بات کا سننا مشکل ہوتا ہے"۔(2)

جن کا تعلق اپنے رب قدیر کے ساتھ یوں جڑ جائے اور اپنے مقصد سے والہانہ لگن اس نقطہ ارتقاء تک پہنچ جائے وہ قوم واقعی ناقابلِ تسخیر ہو جاتی ہے۔

اسی چیز کا تذکرہ اقبال کے خوبصورت الفاظ میں سنیں ۔

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اپنے نفس کا محاسبہ کرنے والے

گناہ انسان کو خود غرض بھی بنا دیتا ہے اور بزدل بھی۔

دل سوز سے خالی ہے نگاہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے

(اقبال)

جو بھی شخص مسلم قومیت کا ایک فرد بنتا گیا۔ حقیقتیں اس پر اس قدر آشکارا ہوتی گئیں کہ اسے نیکیوں سے محبت اور گناہ سے نفرت ہوتی گئی۔ اسے بدی سے ایسے ہی نفرت ہوتی گئی

1۔ البدایہ والنہایہ، جلد 7، صفحہ 53 2۔ نفس مصدر، صفحہ 16

کہ جیسے کسی کو آگ میں داخل ہونے سے نفرت ہوتی ہے۔

لیکن اگر کوئی کسی بشری کمزوری کا شکار ہو بھی گیا تو احتسابِ نفس کا عمل اس شدت سے جاری تھا کہ جب تک اپنے اس گناہ اور غلطی کی سزا نہ بھگت لی نہ دل کو قرار نصیب ہوا اور نہ چین۔ عموماً انسان سے اگر کبھی غلطی ہو جائے تو وہ اس غلطی کو چھپانے کیلئے مزید غلطیاں کرتا جاتا ہے۔ لیکن اللہ کے بندوں کی یہی نشانی ہے اور ذاتِ الٰہی سے وفاداری کا یہی تقاضا ہے کہ اگر انسان سے غلطی ہو بھی جائے تو وہ فوراً اپنے رب کی طرف دوڑے۔ اپنی لغزش کا اقرار کرے۔ آخرت کی عزتیں انہیں کو ملیں گی۔ یہاں کی عزتیں جن کی راہِ عبدیت میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ (آلِ عمران)

"اور وہ لوگ کہ جب وہ کوئی کھلی برائی کر بیٹھیں یا اپنے جان پر کوئی ظلم ڈھا بیٹھیں تو وہ اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخشنے والا کون ہے۔ اور وہ جانتے بوجھتے ہوئے اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا"۔

جب کسی قوم میں احتسابِ نفس اور ملامتِ ضمیر کا ملکہ پیدا ہو جائے اسے کوئی طاقت غالب آنے سے نہیں روک سکتی۔ اور یہی چیزیں مسلم قومیت کے امتیازی نشان تھے۔ کہ اگر

کسی سے کوئی غلطی ہوگئی تو اس نے نہ صرف خود ہی اس کا اقرار کیا۔ بلکہ اپنے اوپر حد جاری ہونے کا مطالبہ بھی بڑی شدت اور اصرار سے کیا۔ محاسبہ نفس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا عرض کرنے لگا یارسول اللہ ﷺ میں شہر مدینہ کے کنارے پر ایک عورت سے بوس و کنار کا مرتکب ہوا۔ میں نے جماع کے سوا اس کے ساتھ سب کچھ کیا ہے۔ اب میں آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ مجھے آپ جو سزا دینا چاہیں دیں میں حاضر ہوں (فاقض فیَّ ماشئت) الخ۔ (1)

اس شخص کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ان کا ضمیر اس قدر زندہ تھا کہ وہ خود ہی اپنے جرم کا اقرار کر رہے ہیں۔ اپنی غلطی کے اقرار کا ملکہ جب کسی قوم میں پیدا ہو جائے تو وہ ناقابلِ تسخیر ہو جاتی ہے۔

احتسابِ نفس کا ایک اور منظر ملاحظہ ہو

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا تمہیں ہلاکت ہو۔ جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔ وہ تھوڑی دیر بعد پھر واپس آئے اور عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے پھر ویسے ہی فرمایا۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے چوتھی مرتبہ یہی کہا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں تمہیں کس چیز سے پاک کروں۔ انہوں نے عرض کیا میں نے زنا کیا ہے۔

پھر نبی کریم ﷺ نے ان کے متعلق پوچھا کہ کیا ان کے دماغ میں کوئی خرابی ہے۔ لوگوں نے کہا نہیں وہ کوئی پاگل نہیں ہیں۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر ان کا منہ سونگھا تو شراب کی کوئی بدبو محسوس نہ کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے زنا کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ پھر آپ نے انھیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ اور انہیں سنگسار کر دیا گیا۔ پھر ان کے

1۔ مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ۔ رقم الحدیث 530

متعلق لوگوں کی دو آراء ہو گئیں۔ بعض کہتے تھے کہ حضرت ماعزؓ ہلاک ہو گئے اور ان کے گناہ نے انھیں گھیر لیا۔ اور بعض لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ماعز کی توبہ سے کسی کی توبہ افضل نہیں ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپکے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ عرض کیا مجھے پتھروں سے مار دیجئے۔ حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں دو تین دن یہی اختلاف رہا۔ پھر ایک دن صحابہؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے سلام کرنے کے بعد آپ وہیں تشریف فرما ہو گئے۔ پھر فرمایا ماعز بن مالک کیلئے استغفار کرو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ تعالیٰ ماعز بن مالک کی مغفرت فرمائے پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماعز نے ایسی توبہ کی ہے اگر اسے تمام امت پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کی بخشش ہو جائے (لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَ سَعَتْهُمْ)۔(1)

کس کمال کا محاسبہ نفس ہے! اور کس انتہا کا کرم الٰہی ہے!

ایک اور منظر ملاحظہ ہو

''رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حضرت غامدیہؓ حاضر ہوئیں۔ عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ نے انھیں واپس کر دیا۔ دوسرے دن پھر حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں۔ یا رسول اللہ! آپ نے مجھے واپس کیوں کر دیا! شاید مجھے حضرت ماعز کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں خدا کی قسم! میں زنا سے حاملہ ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر تو نہیں ٹلتی تو تو بچہ پیدا ہونے کے بعد آنا۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ بچے کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر لائیں۔ اور کہنے لگیں یہ میرا بچہ پیدا ہو گیا ہے آپ نے فرمایا جا۔ اسے دودھ پلا۔ حتیٰ کہ یہ روٹی وغیرہ کھانے لگے جب بچے کا دودھ چھوٹ گیا تو وہ بچے کو لیکر حاضرِ خدمت ہوئیں اور بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اور کہنے لگیں۔ لیجئے یا نبی اللہ! اب اس کا دودھ بھی چھوٹ گیا ہے۔ اب یہ کھانا کھانے لگا ہے۔ آپ نے وہ بچہ ایک مسلمان شخص کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ سینہ تک اس کے لئے ایک گڑھا کھودا جائے اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، رقم الحدیث 4317

لوگوں کو انھیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت خالد بن ولید نے ان کے سر پر ایک پتھر مارا۔ حضرت خالدؓ نے انھیں کوئی برا کلمہ کہہ دیا۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں برا کلمہ کہتے ہوئے سن لیا۔ آپ نے فرمایا اے خالدؓ! ایسا نہ کہو اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ظلماً ٹیکس لینے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اسے بھی بخش دیا جاتا۔(1)

یہ تھے چند مناظر احتسابِ نفس اور ملامتِ ضمیر کے۔ انھیں چیزوں نے انھیں ایک نا قابلِ شکست قوم بنا دیا تھا۔

خدا جل جلالہ اور رسول اللہ ﷺ کے فرمانبردار

جو بھی مسلم قومیت کا ایک فرد بنتا گیا وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا پیکر بنتا گیا وہ مکمل طور پر بارگاہِ الٰہی میں جھکتا گیا۔ اپنی مرضی کو رضائے مولا پے قربان کرتا چلا گیا۔ اس نے اپنی خواہشات کی بندگی نہیں کی بلکہ اپنے خالق و مالک کی بندگی کی وہ اپنی ذات کی پوجا کرنے والا نہ بنا بلکہ رب قدیر کے احکامات کی پیروی کرنے والا بن گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت کے اس قدر پیکر بنے کہ جب بھی انھیں خدا اور رسول کا کوئی حکم پہنچا تو ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں اس فرمانبرداری کے راستے میں نہ انکی خواہشات رکاوٹ بنیں اور نہ مفادات۔ انھوں نے ذاتی ترجیحات کو پس پشت ڈال دیا اور خدا اور رسول کی مرضیات ہی انکی مرضی اور رضا بن گئی۔

اس اطاعت و فرمانبرداری کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے حضرت ابی بن کعب کا یہ بیان پڑھیے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے لوگوں سے بات کرنے سے منع فرما دیا تو

"ہم ایسے ہو گئے جیسے ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔ گویا آسمان و زمین بدل گئے۔ غرض پچاس راتیں اسی حالت میں گزر گئیں.................."

.........میں لوگوں کی خاموشی سے تنگ آ گیا اور پھر اپنے چچا زاد بھائی ابو قتادہؓ کے باغ میں

1۔ نفس مصدر، رقم الحدیث 4310

دیوار پھاند کر گھس گیا اور سلام کیا۔ اور اس سے مجھے بہت محبت تھی۔ مگر خدا کی قسم اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ تو میں نے ان سے کہا اے ابو قتادہؓ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ خاموش رہے۔ میں نے پھر دہرایا۔ انھیں واسطہ دیا وہ پھر خاموش رہے میں نے مکرر کہا اور انھیں خدا کا واسطہ دیا۔ تو وہ کہنے لگے اللہ اور اسکا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ میری آنکھیں چھلک پڑیں اور میں دیوار پھاند کر باہر نکل آیا"۔(1)

کمال اطاعت کا منظر ملاحظہ فرمایئے کہ جب رسول کریم ﷺ صحابہ کو منع فرمادیتے ہیں کہ آپ نے ان سے بات نہیں کرنی تو وہ ذاتی تعلقات اور دوستیوں کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ کوئی ان سے بات تک کرنا گوارا نہیں کرتا۔ اپنے پرائے اور دوست اجنبی بن جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا محبوب دوست جو انکا چچازاد بھائی بھی ہے ان کے سلام کا جواب تک نہیں دیتا۔

اسی حدیث میں خدا و رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا ایک اور منظر بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت کعب فرماتے ہیں

> "ابھی چالیس راتیں گزری تھیں اور دس دن باقی تھے کہ رسول کریم ﷺ کے قاصد حضرت خذیمہؓ بن ثابت نے میرے پاس آکر مجھے رسول کریم ﷺ کا حکم سنایا۔ کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔ میں نے کہا کیا مطلب طلاق دے دوں یا کچھ اور۔ تو انہوں نے فرمایا بس الگ رہو اور مباشرت وغیرہ نہ کرو"۔

کمال اطاعت کا اندازہ لگایئے کہ حکم پہنچنے پر وہ اپنی رفیقہ حیات کو چھوڑنے میں بھی کوئی تامل نہیں کرتے۔

شراب کے عادی کیلئے شراب چھوڑنا کتنا مشکل ہوتا ہے عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ناممکنات میں سے ہے اس کا اظہار،

1۔صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم الحدیث 1544

ع چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

وغیرہ کے محاورات اور اشعار سے کیا گیا ہے۔

لیکن اس پاکباز گروہ کے پاس جب اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝٩٠ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝٩١

''اے ایمان والو! یہ شراب، جوا، بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں۔ شیطان کی کارستانیاں ہیں پس تم ان سے بچو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شیطان اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟''۔ (المائدہ)

امام ابن جریر طبری اسی آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بردہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

ہم مجلس میں بیٹھے شراب پی رہے تھے میں اٹھا تا کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دوں اور ادھر شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ الخ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور میں نے یہ آیت فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ (کیا تم باز آ جاؤ گے؟) تک پڑھی۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے ہاتھ میں ساغر تھا کچھ پیا تھا اور کچھ اس میں باقی تھا انہوں نے جام رکھ دیئے جو شراب ہونٹوں میں پہنچ گئی تھی وہ فوراً تھوک دی۔

ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اس منظر کو بڑے خوبصورت الفاظ میں بیان فرمایا ہے فرماتے ہیں۔

''......یہ آیات کریمہ نازل ہوئی۔ حضور رحمت عالمیان ﷺ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ

مدینہ کے گلی کوچوں میں پھر کران آیات کا اعلان کرے جب وہ منادی کرنے والا اعلان کرنے نکلا تو کئی جگہ شراب کی محفلیں آراستہ تھیں۔ میخوار جمع تھے۔ پیانے گردش میں تھے۔ جونہی کان میں فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ کی آواز پہنچی ہاتھوں پر رکھے ہوئے پیالے زمین پر پٹخ دیئے گئے۔ ہونٹوں سے لگے ہوئے جام خود بخود الگ ہو گئے۔ جام وسبو توڑ دیئے گئے۔ مشکوں اور مٹکوں میں بھری ہوئی مئے ناب انڈیل دی گئی۔ وہ چیز جو انہیں از حد عزیز تھی۔ اب گندے پانی کی طرح گلیوں میں بہہ رہی تھی"۔(1)

خدا جل جلالہ و رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے والے

اس پاکباز گروہ کے جذبہ اطاعت کا جو منظر آپ نے پچھلی سطور میں ملاحظہ فرمایا۔ یہ کوئی رسم یا فارمیلٹی نہیں تھی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے ان کی بے پناہ محبتوں اور الفتوں کا ثمرہ لازمی تھا۔ جب محبت کمال کو پہنچ جائے تو اطاعت خود بخود کمال کو پہنچ جاتی ہے۔

خدا اور اسکے رسول ﷺ کی محبت کوئی متضاد حقیقتیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو رخ اور ایک ہی صداقت کے دو پہلو ہیں۔ یہ محبت کوئی توہماتی چیز نہیں۔ بلکہ مقصد سے والہانہ لگن کا سبب اور ذریعہ ہے۔ جب کسی قوم کو یہ متاع بے بہا نصیب ہو جائے تو پھر وہ ذاتیات، مفادات اور اپنی خواہشات پر بھی خدا اور رسول کی مرضی کو ترجیح دیتی ہے۔ خدا اور رسول ﷺ کی خاطر اپنا سب کچھ لٹانا انھیں بچانے سے زیادہ محبوب ہو جاتا ہے۔ وہ خدا اور رسول ﷺ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کیلئے اپنے مال قربان کر دیتے ہیں، برادری اور رشتہ داریاں پس پشت ڈال دیتے ہیں، اپنی جاہ وحشمت کا نذرانے پیش کر دیتے ہیں اور اپنی جانوں کے نذرانے بھی یہ کہتے ہوئے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہیں۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(غالب)

1۔ ضیاء القرآن، جلد 1، صفحہ 8-507

جب جذبہ محبت نصیب ہو جائے تو بندے کے وجود کا انگ انگ اسلامی صداقتوں کا مظہر بن جاتا ہے مولائے روم نے کتنی سچی بات کہی ہے

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
آں طبیب جملہ علت ہائے ما

محبت کا ایک منظر ملاحظہ ہو۔

ایک انصاری عورت کے والد، بھائی اور شوہر غزوہ احد میں شہید ہو گئے جب اسے انکی شہادت کی خبر ملی تو اس نے سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خیریت کے متعلق بتاؤ۔ اسے بتایا گیا کہ الحمد للہ حضور ﷺ خیریت سے ہیں لیکن اس جانثار کو پھر بھی سکونِ قلب نہ ملا۔ وہ کہنے لگی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرواؤ۔ تب مجھے اطمینان ہو گا۔ جب اس نے حضور ﷺ کی زیارت کی تو پکار اٹھی۔

كل مصيبة بعدك جلل۔ اب ہر مصیبت مجھ پر آسان ہے۔(1)

پاس اگر تو نہ ہو شہر ہیں ویراں تمام
تو ہو تو ہیں آباد ہیں اجڑے ہوئے کاخ و کو

(اقبال)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن زید جو صاحب الاذان کہلاتے ہیں۔ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے۔ دفعۃً ان کے فرزند پہنچے اور حضور ﷺ کے وصال کی خبر سنائی۔ اسی وقت انہوں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیے۔ اور کہا اے اللہ مجھے نابینا کر دے کہ ان آنکھوں سے اب کسی کو نہ دیکھ سکوں۔(2)

میرا دکھ کے جی گھبراتا ہے ساون کی سہانی راتوں کو
پیا چھوڑ گئے دل توڑ گئے اب آگ لگے برساتوں کو

محبت کا یہ منظر بھی کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔

1۔ کتاب الشفاء، جلد 2، صفحہ 61　　2۔ ترجمان السنۃ، جلد 1، صفحہ 349

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ کو رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور فرمایا دیکھتے ہو۔تمہارے والد کیا کہتے ہیں۔وہ عرض کرنے لگے فداك امی و ابی یا رسول اللہ ۔اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔وہ کیا کہتے ہیں۔
آپ نے فرمایا وہ کہتے ہیں: ''کہ اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو عزت والا ہوگا وہ ذلیل کو نکال دے گا''۔

وہ بولے خدا کی قسم یارسول اللہ !انہوں نے سچ کہا بخدا۔آپ عزت والے ہیں اور وہ ذلیل ہیں۔

یارسول اللہ آپ مدینہ تشریف لائے تو اہل یثرب جانتے ہیں کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی اپنے باپ کا فرمانبردار نہیں تھا۔اگر اللہ اور اسکے رسول کی مرضی یہ ہے کہ میں اس کا سر لے آؤں تو میں حاضر ہوں رسول کریم ﷺ نے فرمایا نہیں۔

جب لوگ مدینہ پہنچے تو حضرت عبداللہؓ مدینہ کے دروازے پر اپنے باپ کے راستے میں تلوار لیکر کھڑے ہوگئے جب انکے والد آئے تو فرمانے لگے۔

''تم نے ہی کہا تھا اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو عزت والا ہوگا وہ ذلیل کو نکال دے گا۔ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ عزت والا کون ہے اور ذلیل کون ہے؟قسم بخدا!تم مدینہ میں خدا اور رسول کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتے۔

وہ پکار اٹھا

''اے گروہ خزرج! دیکھو میرا لڑکا مجھے میرے گھر میں داخل ہونے سے روکتا ہے، اے خزرج کے لوگو! میرا لڑکا مجھے میرے گھر میں داخل ہونے سے روکتا ہے''۔

وہ فرمانے لگے

''خدا کی قسم یہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر مدینہ میں قدم نہیں رکھ سکتا''۔

جب لوگوں نے انھیں سمجھانا شروع کیا تو انھوں نے فرمایا

''یہ اللہ تعالیٰ اور اسے کے رسول ﷺ کی اجازت کے بغیر گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا''۔

لوگ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور صورت حال عرض کی تو آپ نے فرمایا۔

''جاؤ عبداللہؓ سے کہہ دو کہ آنے دو''۔

لوگوں نے واپس آکر حضور ﷺ کا فرمان سنایا تو وہ فرمانے لگے۔

''ہاں! جب نبی کریم ﷺ کی اجازت آگئی ہے تو وہ مدینہ میں داخل ہوسکتا ہے''۔(1)

جب حضرت زید بن دشنہ کو قتل کرنے کیلئے حرم سے باہر لیکر چلے تو ابوسفیان کہنے لگا زید قسم کھا کر بتاؤ کیا اس وقت تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم اس وقت اپنے گھر میں ہوتے اور تمہاری جگہ پر اس وقت محمد (ﷺ) ہوتے حضرت زیدؓ نے قسم کھا کر فرمایا مجھے ہرگز گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں ہوں اور یہاں حضور ﷺ کے جسم اقدس میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ یہ سن کر ابوسفیان کہنے لگا ''میں نے کسی کو اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (ﷺ) کے ساتھی ان سے کرتے ہیں''۔(2)

جب خدا اور رسول ﷺ سے محبتوں کا یہ عالم ہو تو پھر ذات سے بڑھ کر مشن پیارا ہو جاتا ہے اور جس قوم کو مشن اپنی ذات اور مفادات سے بڑھ کر پیارا ہو جائے تو اسے کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔

امانتوں کے پیکر

یہ لوگ امانتوں کے پیکر تھے اور دیانتوں کے مجسمے بددیانتی اور خیانت سے ان کی زندگیاں ایسے ہی محفوظ تھی جیسے بزدلی یا مفاد پرستی سے۔ یہ اس ذات عالی (ﷺ) کے ماننے والے تھے جنہیں ان کے دشمن بھی ''الامین'' کہہ کر پکارتے تھے۔

جو تیری جان کے دشمن ہیں وہ بھی کہتے ہیں
امیں تو ہے صداقت کی آبرو تو ہے

مذہبی اختلافات کے باوجود مکہ والے جن کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے۔ جنہوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 8، صفحہ 2 2۔ کتاب الشفاء، جلد 2، صفحہ 61

نے ہجرت کی رات دشمنوں کی امانتیں واپس کرنے کیلئے اپنے وزیر حضرت علی بن ابی طالب کو مکہ میں چھوڑ دیا تھا۔

یہ لوگ اسی الامین کی امانتوں کا مظہر اور اسی الصادق کی صداقتوں کے امین تھے۔ یہ نہ فرد سے خیانت کرتے تھے۔ نہ معاشرہ سے اور نہ قوم سے۔ مسلم تو مسلم یہ کافروں سے بھی خیانت نہ کرتے تھے۔ یہ اپنے مفادات کیلئے نہ ملکوں کو بیچتے تھے اور نہ قوموں کے سودے کرتے تھے۔ بلکہ اس امانت کی ادائیگی میں یہ اپنی جانیں قربان کر دیتے تھے۔ جو ان کے سپرد کی جاتی تھی۔

انہوں نے امانتوں اور دیانتوں کے وہ نمونے زمانے کو دیئے جو تا قیامت ایسے ہی چمکتے رہیں گے جیسے رات کی تاریکیوں میں چودھویں کا چاند چمکتا ہے۔ یا

ع بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

انہوں نے اپنے عمل سے زمانے پر واضح کر دیا کہ قومیں امانتوں سے ترقی کی منزلیں کرتی ہیں بددیانتی اور خیانتوں سے نہیں۔

ان کی پاکیزہ زندگیوں کے چند مظاہرہ ملاحظہ ہوں

عہد فاروقی میں جب حمص فتح ہوا اس کے باشندوں نے جزیہ دینا شروع کر دیا۔ تو رومیوں نے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کیلئے اپنے لشکروں کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو جب رومیوں کی تیاری کا علم ہوا۔ تو آپ نے لشکر کی قیادت سے مشورہ کیا۔ طے پایا کہ حمص کو خالی کر دیا جائے اور ساری فوج دمشق میں جمع کی جائے۔ اس فیصلے کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے حمص اور اسکے اردگرد کے علاقوں سے لی گئی جزیہ کی رقم جو لاکھوں میں تھی یہ کہتے ہوئے واپس کر دی کہ چونکہ ہم اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے یہ جزیہ تمہیں واپس کیا جاتا ہے۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا تمہیں واپس لائے۔

یہودی اس قدر جوش میں آئے کہ انہوں نے کہا۔ ”جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر

قبضہ نہیں کر سکتا'' یہ کہہ کر شہر کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ پہرے بٹھا دیئے۔(1)

امانت کا یہ منظر بھی ملاحظہ ہو

مسلمان جب مدائن پہنچے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ تو ایک شخص آیا۔ اس نے اپنے حصے کا مالِ غنیمت امیر کے سپرد کیا۔ لوگ آپس میں کہنے لگے ایسا قیمتی سامان تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں لایا۔ لوگوں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم نے کچھ مال اپنے لیے بھی رکھا ہے؟ تو اس نے کہا خدا کی قسم! اگر اللہ کا معاملہ نہ ہوتا تو تمہیں اسکی خبر بھی نہ ہوتی۔ لوگوں نے کہا اچھا بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟ کہنے لگا میں نہیں بتاؤں گا۔ اگر میں نے تمہیں اپنا نام بتا دیا۔ تو تم میری تعریف کرو گے اور تعریف صرف اللہ رب العزت کی ہی ہونی چاہیے۔ میں اس اجر پہ راضی ہوں جو میرا خدا مجھے دے گا۔ جب وہ صاحب واپس ہوئے تو لوگوں نے ایک آدمی ان کا پتہ معلوم کرنے کیلئے ان کے پیچھے لگا دیا تو معلوم ہوا کہ ان کا عامر ہے اور عبد قیس قبیلے کے ایک فرد ہیں''۔(2)

اس موقع پر کسریٰ کا مرصع تاج اور اس کا فرش بہار جو لاکھوں اشرفیوں کی مالیت کا تھا۔ جب مجاہدین کو ملا۔ تو کسی نے اس میں ذرہ برابر بھی بد دیانتی نہ کی۔ اور بعینہٖ امیر لشکر کے حوالے کر دیا۔ اور انہوں نے بلا کم و کاست اسے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے تعجب کرتے ہوئے فرمایا۔ جن لوگوں نے اسے بحفاظت میرے پاس پہنچا دیا ہے۔ ان کی امانت واقعی قابلِ تعریف ہے۔

خلفاء بیت المال میں ایک پیسے کی بد دیانتی نہ کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے اپنے ایک قریبی عزیز کو ناراض کر لیا لیکن بیت المال سے اسکو پیسے نہ دیئے۔ جب ان کے خزانے کے امیر حضرت ابو رافعؓ نے بیت المال سے ایک ہار عاریۃً عید پر پہننے کیلئے حضرت علیؓ کی بیٹی کو دے دیا۔ تو آپ نے بڑی سختی سے انھیں ڈانٹا اور فرمایا اے ابو رافعؓ کیا تو مسلمانوں سے بد دیانتی کرتا ہے؟ بخدا اگر میری بیٹی نے ہار تم سے ادھار نہ لیا ہوتا تو بنو ہاشم کی پہلی عورت جس

1۔تاریخ اسلام، صفحہ 136 　　2۔تاریخ طبری، جلد 4، صفحہ 16

کے ہاتھ چوری کے جرم میں کاٹے جاتے میری بیٹی ہوتی۔ اور حضرت عمرؓ زخمی حالت میں بھی بیت المال سے شہد مسلمانوں کی اجازت کے بغیر نہیں لیتے۔

جب خلفاء سے لیکر ایک عام آدمی تک امانت داری کا یہ منظر ہو تو بھلا وہ قوم کس طرح شکست کھا سکتی ہے!

صرف خدا سے ڈرنے والے

عقیدہ توحید یہ سبق دیتا ہے کہ تمام تر طاقتوں کا سرچشمہ اور جملہ قوتوں کا منبع صرف اور صرف ذات الٰہی ہی ہے وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور وہ کبھی نہیں ہوتا جو وہ نہیں چاہتا وہ خود فرماتا ہے۔

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (بقرہ:165)

"بے شک ساری طاقت اللہ کیلئے ہے"۔

تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرا سے حباب
رہرو دشت ہو سیلی زدہ موج سراب

(اقبال)

اسی لئے جو قوم تشکیل ہی لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر پائی تھی۔ وہ لوگ صرف اور صرف خدا سے ڈرنے والے تھے۔ کسی جابر کا جبر اور کسی ظالم کا ظلم انھیں کلمہ حق کہنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ وہ بادشاہوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کے عادی تھے۔ وہ قلیل ہو کر کثیر کو پاش پاش کر دیتے تھے۔ بے سروسامان ہو کر مسلح لشکروں سے ٹکرا جاتے تھے۔ وہ پیوند لگے کپڑے پہن کر تاج شہی کو پرکاہ کی اہمیت نہ دیتے تھے۔ کیونکہ انھیں یقین تھا کہ طاقت اور قدرت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

تخت سکندری پر وہ تھوکتے نہیں
بستر لگا ہوا ہے جن کا تیری گلی میں

یہی وہ راز تھا جس کے سبب طارق بن زیاد نے اندلس کے کنارے پر کشتیاں جلا کر

اعلان کیا تھا۔

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

جو بندہ خداوند ذوالجلال کی طاقتوں پر ایمان لے آئے۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ وہ سامنے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر اور تعاقب میں آنے والے عظیم لشکروں کو دیکھ کر بھی بھرپور اعتماد کے ساتھ بولتا ہے کچھ نہیں ہوگا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ ''میرا رب میرے ساتھ ہے''۔(الشعراء:61)

اور کبھی جب کافر غار کے دہانے پے پہنچ جاتے ہیں۔ بظاہر بے سروسامانی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ وہ مکمل یقین کے ساتھ اپنے یار غار سے کہتا ہے فکر نہ کر کچھ نہیں ہوگا: اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ''ہمارا رب ہمارے ساتھ ہے''(توبہ:40)

اسے نہ شاہی رعب ڈراتا ہے اور نہ لشکروں کی بھاری تعداد خدا کی طاقتوں پر یقین اسے بے پناہ خوداعتمادی اور عظیم حوصلے عطا کر دیتا ہے۔ وہ عالم وجد و کیف میں اعلان کرتا ہے۔

جس کا بندہ ہوں ازل اس کا ابد اس کا ہے
لاکھ فانی ہوں تعلق تو ہے لافانی سے

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ہجرت حبشہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔ جب ہم نجاشی کے دربار میں پہنچے۔ دربار سجا ہوا تھا۔ دائیں جانب عمرو بن العاص اور بائیں جانب عمارہ بیٹھے تھے۔ اردگرد مذہبی پیشوا قطار در قطار بیٹھے تھے۔ عمرو اور عمارہ کہنے لگے یہ لوگ بادشاہ کو سجدہ نہیں کرتے۔ پادری پکار اٹھے بادشاہ کو سجدہ کرو۔ حضرت جعفرؓ نے برجستہ جواب دیا۔ ہم صرف خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔(1)

آئینہ نیت دل کہ دہد جا بہر کسے
ایں پارہ عقیق نام تو کندہ شد

ذرا ان کی بے خوفی اور جرأت کا اندازہ فرمائیے کہ حبشہ میں پناہ لی ہوئی ہے۔ قریش کی

سفارت پہنچ گئی ہے وہاں بھی وہ کس جرأت اور بے باکی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ جرائتیں صرف عقیدہ توحید کی عطا کردہ ہیں۔

ایک اور منظر بھی ملاحظہ ہو

عہد فاروقی کا واقعہ ہے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایرانی سپہ سالار رستم کے پاس حضرت ربعی بن عامر کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ جب آپ اس کے دربار میں پہنچے تو دربار سجا ہوا تھا۔ رستم یاقوت اور بیش بہا موتی زیب تن کیے، قیمتی لباس پہنے سر پر سونے کا تاج رکھا بیٹھا تھا حضرت ربعیؓ بن عامر وہاں پہنچے، پھٹا پرانا لباس، مختصر سی ڈھال اور چھوٹا سا گھوڑا ان کی سواری تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار فرش کو روندتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ پھر گھوڑے سے اترے۔ گھوڑا قیمتی گاؤ تکیہ سے باندھا۔ رستم کے پاس اس حال میں جانے لگے کہ آلات حرب پہنے ہوئے تھے۔ سر پر خود اور بدن پر زرہ پہنے ہوئے۔ لوگ پکار اٹھے جنگی لباس تو اتار دو۔ آپ نے فرمایا میں خود نہیں آیا مجھے بلایا گیا ہے۔ اگر تمہیں منظور نہ ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ رستم نے کہا آنے دو۔ آپ نیزے کا سہارا لیتے ہوئے آگے بڑھے نیزے کی نوک نے فرش کو جا بجا کاٹ دیا۔ رستم نے کہا تم لوگ کیسے آئے ہو آپ نے فرمایا۔ ہمیں اللہ نے اس لیے بھیجا ہے کہ جس کے متعلق وہ چاہے اسے بندوں کی بندگی سے نجات دیں اور اللہ کی بندگی میں داخل کر دیں۔

دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں پہنچا دیں۔ اور مذاہب کی زیادتیوں سے نجات دلا کر اسے اسلام کے عدل کے سایہ تلے لے آئیں۔ (1)

صرف خدا کا ڈر بندے کو بے پناہ طاقتوں کا امین بنا دیتا ہے۔ اور انہیں یہ دولت گراں مایہ وسیع پیمانے پر حاصل تھی۔

جذبہ شہادت سے سرشار

جب کسی قوم کو اپنا مشن اتنا پیارا ہو جائے کہ وہ اسکی تکمیل کیلئے نہ صرف یہ کہ جان کی

بازی لگانے کو تیار ہوں۔ بلکہ ان کی سب سے بڑی خواہش یہی ہو کہ میری جان اس راہ میں قربان ہو جائے تو اس قوم کو ترقی کی راہوں پر گامزن ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

امت مسلمہ کا مشن یہ تھا کہ اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچ جائے۔ یہ امت ختم نبوت کے بعد کار نبوت کی امین ہے۔ اس راستے میں جو بھی مشکل اور رکاوٹ آئے اسے خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے۔ اگر کوئی قوم دلیل کی بجائے جنگ سے قائل ہوتی نظر آئے۔ تو اللہ کا پیغام اس طریقہ سے پہنچانے سے بھی قطعاً گریز نہ کیا جائے۔ وہ مومن جو الفتوں کا پیکر اور محبتوں کا منبع ہوتا ہے وہ شمشیر بے نیام بن جائے اور زمانے پر ثابت کر دے۔

یہ بات عیاں ہے دنیا پر ہم پھول بھی ہیں تلوار بھی ہیں
یا بزم جہاں مہکائیں گے یا خوں میں نہا کر دم لیں گے

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو بندہ اپنی جان اللہ کے راستہ میں قربان کر دے گا۔ وہ حیات ابدی پالے گا۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

یہی وجہ ہے کہ اس قوم کو موت زندگی سے بڑھ کر محبوب تھی۔ ایک مسلمان سپہ سالار نے ایک دوسری قوم کو اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا تھا میرے ساتھ ایک ایسی قوم ہے یحبون الموت کماتحبون الحیوۃ۔ جو موت سے اس طرح محبت کرتی ہے جسے تم زندگی سے محبت کرتے ہو۔ انہیں زندگی نہیں موت زیادہ محبوب ہے۔

کیونکہ مرتبہ شہادت پانا تو دور کی بات ہے اس کی راہ میں نکلنے والا بھی ابدی جنتوں کا باسی بن جاتا ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے

مَا اِغْبَرَّتْ قَدَ مَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ النَّارُ(1)

"جس شخص کے قدم راہِ خدا میں غبار آلود ہو جائیں تو اس کو دوزخ کی آگ نہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، رقم الحدیث 76

چھوئے گی''۔

درجہ شہادت کی عظمتوں کا ایک منظر ملاحظہ ہو۔

حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا وہ یہ نہیں چاہے گا کہ دوبارہ دنیا میں لوٹ آئے۔ بے شک اسے پوری دنیا کا ساز و سامان مل جائے۔ لیکن شہید یہ چاہے گا کہ اسے ہر بار دنیا کی طرف لوٹایا جاتا رہے۔ تاکہ اسے دس مرتبہ قتل کیا جائے۔ کیونکہ وہ راہِ خدا میں قتل ہونے کی فضیلت دیکھ چکا ہوگا۔(1)

اسی مقام پر نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی بیان کیا گیا ہے۔

وَ اعْلَمُوْا اِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ

''جان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے''۔

یہی سبب ہے کہ جرأت و شجاعت کی جولاں زوال داستانیں اس قوم نے رقم کی ہیں دنیا کی کسی بھی قوم میں اسکی مثال تلاش کرنے کی کوشش کرنا سعی لاحاصل ہے۔ کیونکہ حیات ابدی کی تمنا انہیں بے پناہ شجاعتیں اور جراتیں عطا کر دیتی ہے شوق شہادت کے چند مناظر ملاحظہ ہوں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ احد کے دن حضرت عبداللہؓ بن جحش نے مجھے کہا کہ آؤ ایک کونہ میں جا کر دعا مانگیں۔ میں دعا مانگوں گا اس پر آپ آمین کہیں پھر آپ دعا مانگیں میں آمین کہوں گا۔

اس قبولیت کی گھڑی میں ہماری التجائیں قبول ہوں گی۔ چنانچہ ہم الگ ایک گوشے میں چلے گئے۔ پہلے میں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی اے میرے رب! کل جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو میرے مقابلے میں ایک طاقتور اور ماہر جنگ جو کو بھیج۔ تاکہ تیری رضا کیلئے اس سے جنگ کروں اور وہ مجھ سے جنگ کرے پھر مجھے اس پر غلبہ دے تاکہ میں اس کو قتل کر دوں اور اس کے لباس زرہ اور ہتھیاروں پر قبضہ کرلوں۔ حضرت عبداللہؓ نے

1۔ نفس مصدر، رقم الحدیث 82

میری دعا پر کہا آمین۔ پھر حضرت عبداللہ بن جحش نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے اور عرض کی۔ الٰہی! میرے مقابلے میں ایک ایسا کافر بھیج جو بڑا قوی اور تنومند ہو۔ اور فن حرب کا ماہر ہو۔ میں تیری رضا کیلئے اس سے جنگ کروں اور وہ مجھ سے جنگ کرے آخر کار وہ مجھے قتل کر دے۔ پھر وہ مجھے پکڑ لے۔ میری ناک اور میرے کان کاٹ دے۔ اور جب میں روزِ قیامت تجھ سے اس حالت میں ملاقات کروں تو تو فرمائے یَا عَبْدِیْ فِیْمَا جُدِعَ اَنْفُكَ وَ اُذُنُكَ۔ اے میرے بندے کس جرم میں تیری ناک اور تیرے کان کاٹے گئے۔ تو میں جواب میں عرض کروں فِیْكَ وَ فِیْ رَسُوْلِكَ۔ کہ تیری محبت اور تیرے محبوب کے عشق کے جرم میں تو تو فرمائے۔ اے میرے بندے۔ تو سچ کہہ رہے ہو۔

حضرت سعد یہ بیان کرنے کے بعد فرماتے۔ "کہ حضرت عبداللہ کی دعا میری دعا سے بدرجہا بہتر تھی۔ چنانچہ دونوں کی دعائیں قبول ہوئیں اور حضرت عبداللہ کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا"۔(1)

خاک سمجھائے کوئی عشق کے دیوانے کو
زندگی اپنی سمجھتا ہے یہ مر جانے کو

یہ حضرت عمرو بن جموح ہیں۔ چار بہادر بیٹوں کے باپ چاروں بیٹے میدان جہاد میں بہادری اور سرفروشی کے جوہر دکھاتے ہیں۔ خود حضرت عمرو بن جموع کی ٹانگ میں لنگڑا پن ہے۔ وہ معذور ہیں۔ جب غزوہ احد کا موقع آیا۔ چاروں بیٹے شوق شہادت میں جا رہے ہیں لیکن حضرت عمرو کی اس سے بھی تسلی نہیں ہوتی۔ وہ خود جہاد میں جانے کو بیقرار ہیں ان کے بیٹے کہتے ہیں آپ جہاد میں نہ جائیں آپ معذور ہیں۔ ہم جو چاروں بھائی جا رہے ہیں۔ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں۔ میرے آقا! میرے بیٹے مجھے جہاد میں جانے سے روک رہے ہیں۔ اور میری خواہش ہے کہ میں جنت کی سرزمین کو اپنے اس لنگڑے پاؤں سے روندوں۔ آخر انہیں جہاد کی اجازت مل گئی۔ جب وہ جہاد پر جانے لگے تو

1۔ سبل الہدیٰ، جلد 4، صفحہ 322 بحوالہ ضیاء النبی، جلد 3، صفحہ 439

قبلہ رو ہو کر دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَهْلِیْ خَائِبًا

''اے اللہ! مجھے ناکام اپنے گھر والوں کی طرف نہ لوٹانا''۔

یعنی مجھے شہادت کی سعادت دے دینا اللہ اللہ کیا جذبہ شہادت ہے! لوگ گھر سے جائیں تو خیریت سے لوٹنے کی دعا مانگتے ہیں۔لیکن حضرت عمروؓ زندہ نہ رہنے کی دعا مانگ رہے ہیں۔اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور وہ مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

یہ اسلام کے بطل جلیل حضرت حنظلہ ہیں۔ جب شب زفاف کی صبح ہوئی اور رسول کریم ﷺ کی منادی نے آواز لگائی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَدْعُوْاِلَى الْجِهَادِ

''لوگو! رسول اللہ ﷺ جہاد کیلئے بلا رہے ہیں''۔

تو شہادت کے بیتاب جذبوں نے انہیں غسل کرنے کی مہلت بھی نہ دی۔اور نہ ہی شہادت کے راستوں میں شادی کی مچلتی امنگیں رکاوٹ بنیں۔اسی وقت میدان جہاد کی طرف لپک پڑے۔جام شہادت نوش کیا اور ''غسیل الملائکہ ''کا منصب عالی پایا۔

تاریخ کے صفحات میں یہ منظر بھی محفوظ ہے کہ جب غزوہ بدر کے موقع پر حضور ﷺ نے لشکر پر نظر دوڑائی اور چھوٹے بچوں کو جہاد سے واپس چلے جانے کا حکم فرمایا تو حضرت عمیر بن ابی وقاص جو بچے تھے لیکن پنجوں کے بل اوپر اٹھ کر چل رہے تھے تاکہ چھوٹے محسوس نہ ہوں۔حضور ﷺ نے ان کے ان بیتاب جذبوں کو دیکھا تو مسکرا پڑے اور انھیں جہاد میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اسلامی تاریخ ایسے ایمان افروز مناظر سے مزین ہے۔یہ قوم موت سے ڈرتی نہیں تھی بلکہ موت سے محبت کرنے والی تھی۔جب حضرت اسامہ کے لشکر کو روانہ کرتے وقت خلیفہ وقت جناب صدیق اکبران کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ چلے۔تو حضرت اسامہ کو مناسب معلوم نہ ہوا انہوں نے عرض کیا یا میں نیچے اتر آتا ہوں یا آپ ساتھ ساتھ پیدل نہ چلیں تو

جناب صدیق اکبر نے فرمایا میری خواہش ہے کہ راہِ جہاد میں جانے والوں کے گھوڑوں کے قدموں سے اٹھنے والی خاک میرے منہ پر بھی پڑ جائے۔

شوق شہادت کے یہی انداز تھے جنہوں نے اس قوم کو سربلندیاں عطا کیں تھی اور موت سے نفرت اور زندگی سے محبت کسی بھی قوم سے عظمتیں اور سربلندیاں چھین لیتا ہے کتنا تجزیہ کیا ہے پیغمبر حکمت ﷺ نے۔ اِذَا تَرَکْتُمُ الجِھَادَ سَلَّطَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ ذُلًّا لَا یَنْزِعُہٗ حَتّٰی تَرْجِعُوْا اِلٰی دِیْنِکُمْ(1)

''جب تم جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا۔ اور ذلت کا دور اسی وقت ختم ہوگا جب تم دوبارہ اپنے دین کی طرف لوٹ آؤ گے''۔

عمل پیہم کے خوگر

اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی صرف مسلمانوں کی رب نہیں ہے وہ عالمین کا رب ہے۔ اس کے اصول اور ضوابط سب کے لیے یکساں اور اٹل ہیں۔ اس کا ایک ضابطہ یہ ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (رعد:11)

''بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدل لیں''۔

مولانا ظفر علیخان کا یہ مشہور شعر بھی اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

جو بھی قوم جہد مسلسل اور عمل پیہم کے راستوں پر گامزن ہو جاتی ہے وہ کسی بھی مذہب یا عقیدہ کی حامل ہو اللہ تعالیٰ اس کی محنت کبھی ضائع نہیں کرتا۔ ہاں اگر اہل ایمان ان عالمگیر صداقتوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو آسمان سے ان کے لئے خصوصی مدد کا نزول بھی ہوتا ہے لیکن اگر کسی دوسرے مذہب کے لوگ بھی ان عالمگیر صداقتوں کو اپنا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے

1۔ الترغیب والترہیب، رقم الحدیث 2068

عمل اور محنت بھی ضائع نہیں کرتا۔ انھیں بھی دنیا میں عروج اور ترقی عطا کی جاتی ہے۔

فیلسوف اسلام حضرت علامہ اقبال نے اس حقیقت کو بڑی وضاحت اور بڑے دلنشیں انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اپنی مشہور نظم "شکوہ" میں گویا وہ ایک مسلمان کے خدشات اور جذبات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ!

یہ شکایت نہیں ہیں ان کے خزانے معمور　　نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور　　اور بے چارے مسلمان کو فقط وعدہ حور
اب وہ الطاف نہیں ہم پے عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں

کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا نایاب　　تیری قدرت تو ہے وہ جسکی نہ حد ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرا سے حباب　　رہر و دشت ہو سیلی زدہ موج سراب
طعن اغیار ہے، رسوائی ہے ناداری ہے
کیا ترے نام پے مرنے کا عوض خواری ہے

اب باری تعالیٰ کی طرف سے وہ اس کا جواب دیتے ہوئے "جواب شکوہ" میں فرماتے ہیں۔

کیا کہا؟ بہر مسلمان ہے فقط وعدہ حور　　شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور　　مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور
تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوہ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

کلمہ طیبہ کی بنیاد پر جو قومیت تشکیل پائی تھی

وہ یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کے پیکر تھے۔ وہ کوئی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والے لوگ نہ تھے بلکہ جہد مسلسل اور کبھی نہ ختم ہونے والی محنت پہ پختہ یقین رکھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان میں تحصیل علم کا جذبہ اور ولولہ پیدا فرمایا۔ تو یہ قوم علم و ادب کی

پیکر بن گئی۔ وہ زندگی کے ہر میدان میں زمانے کے مقتدا اور امام بن گئے۔ وہ وقت کی کسی ضرورت اور تقاضے سے پہلو تہی نہ کرتے تھے۔ اگر انہیں عبرانی زبان والوں سے واسطہ پڑا تو وہ عبرانی زبان سیکھنے لگے قرآن کریم نے کائنات میں تدبر اور تفکر کی جو مستحکم بنیادیں اہل ایمان کو دیں تو وہ سائنس کے میدان میں آگے بڑھے اور موجودہ سائنس کے بانی اور موجد بنے۔ زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو مسلمان نہ صرف یہ کہ اہل زمانہ کے شانہ بشانہ چلے بلکہ پوری دنیا کی امامت کرتے رہے۔

اس وقت جنگ تیر و تفنگ سے لڑی جاتی تھی تو مسلمان سامان جنگ کے حصول میں اپنی بھرپور استطاعتوں کو بروئے کار لاتے تھے۔ اور اللہ رب العزت نے انہیں اس کا حکم دیا تھا۔

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (الانفال)

"اور جس قدر تم سے ہو سکے ان کیلئے قوت اور پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھو۔ تاکہ اس سے تمہارے دشمنوں پر اور اللہ کے دشمنوں پر تمہاری ہیبت رہے۔ اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جنہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور جو بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا اجر تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا"۔

اور نبی کریم ﷺ نے بڑی تاکید سے اس کا حکم فرمایا۔

حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ اَلَا اَنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، اَلَا اَنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، اَلَا اَنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ

1۔ الترغیب والترہیب، کتاب الجہاد، رقم الحدیث 1930

''میں نے رسول کریم ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان'' کہ جس قدر ہو سکے تم ان کے لئے قوت تیار رکھو'' آپ نے فرمایا خبردار یہاں قوت سے مراد تیر اندازی ہے تین مرتبہ یہی فرمایا''۔

اور نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا

مَنْ عَلِمَ الرَّمیٰ ثُمَّ تَرَکَہ' فَلَیْسَ مِنَّا (1)

''جس نے تیراندازی سیکھی۔ پھر اسے چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں''۔

مسلمان قوم میں زمانے کے بہترین سپہ سالار، بہترین جرنیل اور جنگی فنون کے بہترین ماہر پائے جاتے تھے۔

دیگر علوم وفنون میں بھی یہ قوم دنیا کی امام تھی علوم طبیعی، فلسفہ، جغرافیہ، تاریخ، لغت اور طب میں اس قوم نے زمانے کی امامت کی۔ یورپ اس وقت تاریکی اور جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب اسلام کے یہ بطلِ جلیل زمانے کو علم و ادب کی روشنیاں بانٹ رہے تھے۔

علم وادب کی انھیں بلندیوں کا تذکرہ اقبال یوں کرتے ہیں۔

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا

ایجادات اور اختراعات کا ایک کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ مسلمانوں نے دنیا کو دیا۔ ابن سینا کی ''القانون'' ابن الہیثم کی کتاب المناظر، جابر بن حیان کی الحاوی اور مسلمان سائنسدانوں کی ہزاروں تصانیف ہیں جن سے یورپ نے استفادہ کیا اور آج بھی کر رہا ہے۔

یہ قوم جدید علوم کی بانی بنی، انہوں نے پوری کائنات کو علوم، فنون، اخلاق اور تہذیب و تمدن کا درس دیا۔

یاد رہے کہ مسلمان کا دورِ عروج دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک دور خلافت راشدہ

1۔ نفس مصدر، رقم الحدیث 1948

تک ہے۔ یہ دور اسلام کی فکری بنیادوں کے مطابق تھا اور دوسرا دور مابعد دور ہے جو چھٹی صدی ہجری تک پھیلا ہوا ہے۔ اگر چہ اس دور میں مسلمان اپنی فکری بنیادوں سے پہلے دور کی طرح وابستہ نہ رہے تھے لیکن کفر کے مقابلہ میں بہر کیف غالب رہے پہلا دور تو آسمانی خلافت کے قیام کا دور تھا اس کی تو بات ہی اور ہے دوسرے دور میں بھی یہ قوم جہد مسلسل کی راہوں پر گامزن رہی۔ انہوں نے علوم وفنون کے دریا بہائے بڑے بڑے فلسفی، سائنسدان اور حکماء پیدا کیے۔

جو قوم عالمگیر صداقتوں کے اپنانے میں نوامیسِ فطرت کی ہمنوا بنے، خدائی ضابطوں پر پوری اترے ہر اٹھنے والے مسئلہ میں دنیا کی پیشوائی کے منصب رفیع پر فائز ہو۔ بھلا کامیابیاں اور کامرانیاں اس قوم کے قدم کیوں نہیں چومیں گی؟

اپنے امیر کی اطاعت کرنے والے

جن لوگوں کو اپنی ذات سے بڑھ کر اپنا مشن محبوب ہو جائے۔ جو اپنے مفادات اور اپنی عزت کو اپنے اعلیٰ مقصد پہ قربان کرنے کا جذبہ بیتاب پیدا کر لیں وہ بڑے اعلیٰ اور عظیم لوگ ہوتے ہیں۔ اس قوم کا یہ وصف بھی بڑا واضح اور نمایاں ہے کہ ان میں اطاعت امیر کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق اصل اطاعت اللہ تعالیٰ کی ہے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اس لیے ہے کہ وہ مرضیات الٰہی کو بیان کرنے والے اور احکامات الٰہی کو بندوں تک پہنچانے اور ان کی تبیین وتشریح کے اعلیٰ منصب پہ فائز ہوتے ہیں یہ دونوں اطاعتیں مستقل ہیں اور امیر کی اطاعت ان دونوں اطاعتوں کے تابع ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرہ میں رہے وہ واجب الاطاعت ہے اور اگر وہ اس دائرہ سے نکل جائے تو اس کی کوئی اطاعت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی کوئی اطاعت نہیں کی جائے گی خلیفہ اوّل جناب صدیق اکبر نے اپنے پہلے خطبہ میں اسے بڑی وضاحت سے بیان فرما دیا تھا کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تم

میری اطاعت کرو اور جب میں اس دائرہ سے باہر نکل جاؤں تو تم پر میری کوئی اطاعت لازم نہیں ہے۔

اس قوم کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ نہ تو یہ شخصیت پرستی کے غلو میں گرفتار ہوئی اور نہ ہی انا اور مفاد پرستی انہیں اطاعت امیر کے دائرہ سے باہر آئی۔

ایک مرتبہ جب حضرت عمر نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر میں تمہیں کوئی ایسا حکم دوں جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق نہ ہو تو آپ کیا کریں گے تو ایک بوڑھا اٹھا اور اس نے کہا عمرؓ! ہم آپ کا گریبان پکڑ لیں گے۔ آپ کون ہوتے ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کے حکم کے خلاف کوئی حکم دینے والے؟

اس قوم کی تاریخ گواہ ہے کہ جب تک امیر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہا کسی بھی قسم کا کوئی مفاد یا ذاتی رائے انہیں اطاعت امیر سے منحرف نہ کر سکی۔ چونکہ انہیں تعلیم ہی یہ دی گئی کہ اگر ایک نکٹا حبشی بھی تم پر امیر بنا دیا جائے تو اسکی بھی اطاعت کرو۔ جو افراد اپنی انا کے لئے اپنے ملک اور قوم کو داؤ پر لگا دیتے ہیں وہ احساسِ کمتری کا شکار اور گھٹیا ذہنیت کے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن جو لوگ قوم اور ملک کے مفاد کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں وہ لوگ بڑے عظیم اور اعلیٰ ہوتے ہیں اس قوم کا ایک ایک فرد اعلیٰ اور عظیم تھا۔ اس قوم نے اس پس منظر میں بھی دنیا کو قابلِ تقلید نمونے دیئے ہیں۔

تصور فرمایئے کہ سیف اللہ حضرت خالد بن ولید کی زیر قیادت شام اور عراق میں فتوحات کے سلسلے جاری ہیں۔ خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق انہیں کچھ اسباب کی بنا پر معزول کرنے کے احکامات جاری فرما دیتے ہیں۔ رومی اس موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھانے کے لئے حضرت خالد کو بہت بڑی پیشکش کرتے ہیں اور حضرت عمر کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں حضرت خالد کا جو مقام اور مرتبہ تھا اگر وہ حضرت عمر کے خلاف بغاوت کر دیتے تو حالات بہت حد تک بگڑ سکتے تھے۔

لیکن اسلام کے اس بطلِ جلیل نے جو جواب دیا دنیا کی تاریخ اس کا جواب لانے سے

قاصر ہے اور زمانہ ان کی عظمتوں کو سمجھنے سے عاجز ہیں آپ نے فرمایا۔

میں پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لڑتا تھا اور اب بھی ایک عام سپاہی کی طرح جہاد کرتا رہوں گا۔

اسلامی فوج کے عظیم جرنیل طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر جب اندلس میں فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھا رہے تھے تو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے انھیں معزول کر دیا۔ حالانکہ ان کی معزولی سے جو نقصانات امت کو اٹھانے پڑے وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں اور پورا لشکر خلیفہ کے خلاف بغاوت کرنے میں ان کا ساتھ دینے کے لئے بیقرار تھا لیکن چونکہ اس سے امت میں خلفشار پڑنے کے قوی امکانات تھے۔ اس لیے انھوں نے فوراً خلیفہ کا حکم مانا اور معزول ہو گئے۔

فاتح سندھ محمد بن قاسم اور فاتح ترکستان قتیبہ بن مسلم کو بھی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے معزول کیا۔ ان عظیم سپہ سالاروں نے اطاعت امیر کو اپنی ذاتی خواہشات اور عزت و آبرو پر ترجیح نہ دی اور معزول ہونا قبول کر لیا۔ حالانکہ اگر یہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتے تو حالات بہت حد تک ان کے حق میں سازگار تھے۔

جو قوم اپنے امیر کی اطاعت اور قوم کی یک جہتی میں اس قدر قربانیاں دینے کا ڈھنگ سیکھ لے فتح اس کا مقدر اور کامرانیاں اس کا نصیب ہوتی ہیں۔ اور مسلمان قوم کے یہی اوصاف ان کے عروج اور ترقی کا سبب اور ذریعہ بنے۔

بیباک اور حق گو

عقیدہ توحید انسان کو بلا کا جری اور غضب کا حق گو اور بیباک بنا دیتا ہے۔ کیونکہ انسان سمجھتا ہے کہ تمام قسم کی طاقتیں اور قوتیں رب قدیر کے دست قدرت میں ہی ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ کسی حاکم کا دبدبہ اور شاہان وقت کی تمکنت اور وقار انھیں کلمہ حق کہنے سے نہیں روک سکتا۔ تو جس قوم کے وجود کا سبب اور بنیاد ہی کلمہ طیبہ تھا ان کے قلب و نگاہ میں اللہ کی عظمت اور کبریائی کا نقش یوں بیٹھ

گیا تھا کہ شاہان وقت کا دبدبہ اور وقار ان کی نظروں میں ہیچ اور حقیر ہو کر رہ گیا تھا۔

جس کا بندہ ہوں ازل اس کا ابد اس کا ہے
لاکھ فانی ہوں تعلق تو ہے لافانی سے

(نصیر)

غور فرمایئے کہ اسلام کے دبدبہ اور جلال کے عظیم شہ کار سیدنا فاروق اعظمؓ سے اگر ایک بدو دو گرہ کپڑے کے متعلق بھرے مجمع میں سوال کر دیتا ہے۔ اور آپ اسے نہ ڈانٹتے ہیں اور نہ کوئی سزا دینے کے احکامات جاری فرماتے ہیں بلکہ اسے مطمئن کرتے ہیں تو اس واقعہ میں سیدنا عمر فاروقؓ کی عظمت اور کمال کے جو پہلو ہیں وہ تو ہیں ہی۔ داد تو اس بدو کو بھی دینی چاہیے جس نے بھرے مجمع میں یہ سوال کیا۔ بھلا اگر بدو سوال ہی نہ کرتا تو سیدنا فاروق اعظمؓ اس مطمئن کیسے کرتے!

یہ دور تو خیر آسانی خلافت کے قیام کا دور تھا اور حضرت شاہ ولی اللہ کے الفاظ ہیں دور رسالت کا تتمہ اور تکملہ تھا۔ مابعد ادوار میں بھی جب خلافت بادشاہی بن کے رہ گئی تھی حق گوئی اور بیباکی کے حیران کن نمونے اس امت نے چھوڑے ہیں۔ تاریخ میں ایسے بہت سے منظر محفوظ ہیں کہ بڑے بڑے کج فرو والے اور سخت گیر حاکم بھی کلمہ حق گوئی کے سبب اپنی آراء بدلنے کے لئے مجبور ہوئے۔

تاریخ کے جھروکوں سے چند مناظر ملاحظہ ہوں

حجاج بن یوسف کی سخت گیری اور ظلم سے کون ناواقف ہوگا۔ ایک مرتبہ جب اس کے سامنے حضرت امام حسینؓ کا تذکرہ آیا تو وہ کہنے لگا کہ آپ حضور ﷺ کی ذریت میں داخل نہیں تھے۔ مشہور تابعی عالم حضرت یحییٰ بن یعمر بھی وہاں موجود تھے۔ آپ نے فوراً فرمایا "تو جھوٹ بولتا ہے" وہ کہنے لگا تو اپنی بات قرآن مجید سے ثابت کر دیا میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ تو حضرت یحییٰ بن یعمر نے فوراً قرآن مجید کی آیت مبارکہ پڑھی و من ذریته داؤد و سلیمان الخ اور فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ ماں کے رشتہ سے حضرت آدم کی

ذریت میں داخل ہیں۔ تو امام حسینؓ ماں کے توسط سے حضور ﷺ کی ذریت میں داخل کیوں نہیں ہیں؟ حجاج جیسا سخت گیر اور شعلہ مزاج آدمی بھی اس حق گوئی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ کہنے لگا میں نے اس آیت کو بارہا پڑھا لیکن میرا ذہن کبھی بھی ادھر منتقل نہ ہوا۔ بخدا یہ بہت ہی عجیب استنباط ہے۔

ایک مرتبہ حجاج نے آپ سے ہی پوچھا۔ میں لحن (اعراب) میں غلطی تو نہیں کرتا۔ حضرت یحییٰ نے اس کا نہایت ہی بلیغ جواب دیا۔ آپ نے فرمایا۔ ترفع ما یخفض و تخفض مایو فع۔ اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ تھا کہ تم زبر کی جگہ زیر اور زیر کی جگہ زبر پڑھتے ہو۔ مگر اس کا دوسرا مطلب یہ تھا کہ تو بڑا ظالم اور بے انصاف ہے جو معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتا ہے اور ذلیل لوگوں کو اعلیٰ و ارفع منصب پے فائز کر دیتا ہے۔ حجاج اس حق گوئی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے حضرت یحییٰ بن یعمر کو خراسان کا قاضی مقرر کر دیا۔

یہ شام کے امام، امام اوزاعی ہیں۔ عباسی خلیفہ سفاح کا چچا عبداللہ بن علی ان سے پوچھتا ہے۔ ہم نے بنو امیہ کی جو خونریزی کی ہے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ اس کے اصرار پے امام اوزاعی فرماتے ہیں" بخدا ان لوگوں کا خون تم پر حرام تھا۔ یہ سن کر عبداللہ غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ کہنے لگا تم نے ایسا کیوں کہا۔ آپ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کا خون بہانا تین صورتوں میں جائز ہوتا ہے یا تو وہ شادی شدہ ہو اور زنا کرے تو اسے سنگسار کر دیا جائے گا یا وہ قاتل ہو تو اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا یا وہ مرتد ہو جائے تو اسے قتل کیا جائے گا" عبداللہ کہتا ہے کیا ہماری حکومت دینی نہیں ہے؟ آپ فرماتے ہیں یہ کیونکر؟ وہ کہتا ہے کیا حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کے لیے وصیت نہیں کی تھی۔ آپ فرماتے ہیں" کہ اگر وصیت کی ہوتی تو حضرت علیؓ کسی کو اپنی طرف سے حاکم نہ بناتے"۔

اس گفتگو کے بعد آپ کو یقین تھا کہ آپ کی گردن اڑا دی جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس اگر چہ اس وقت تو عبداللہ ناراض ہوا تھا لیکن بعد میں اس نے آپ کے پاس

دیناروں کی ایک تھیلی تحفہ کے طور پر بھیجی جسے آپ نے اسی وقت غرباء میں تقسیم کر دیا۔

ایک اور منظر ملاحظہ ہو۔

خلیفہ ہارون الرشید اور ان کے شہزادے امام مالکؒ کے حلقہ درس میں گئے۔ ہارون کہنے لگا حدیث کی قرأت میں کروں گا مگر شرط یہ ہے کہ عام سامعین کو اپنے حلقہ درس سے نکال دیجئے۔ حضرت امام مالک نے فرمایا اگر خاص کی خاطر عام کو محروم کر دیا جائے تو پھر خاص کو بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آپ نے اسی وقت اپنے ایک شاگرد سے فرمایا کہ قرأت شروع کرو۔ اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور خلیفہ کو خاموش ہو جانا پڑا۔

یہ قاضی یحییٰ بن اکثم ہیں۔

ایک مرتبہ مامون نے ایک فرمان لکھوایا کہ حضرت معاویہؓ پر لعنت بھیجی جائے۔ لیکن قاضی یحییٰ بن اکثم نے فوراً مداخلت کی اور مامون کو اپنا فرمان واپس لینا پڑا۔ ایک مرتبہ مامون نے متعہ کے جواز کا حکم دے دیا قاضی صاحب کو پتہ چلا۔ دوڑتے ہوئے آئے اور مامون کو سمجھایا کہ قرآنی نص کے مطابق متعہ اور زنا دونوں برابر ہیں۔ مامون نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لی اور متعہ کی حرمت کا اعلان کرادیا۔

یہ شارح مسلم امام نوویؒ ہیں

مصر کا مشہور فرمانروا رکن الدین بیبرس بڑے جاہ و جلال کا مالک ہے۔ ایک مرتبہ وہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں سے جہاد کے لئے مقررہ رقم کے علاوہ کچھ زائد رقم وصول کرے تو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اسے فرماتے ہیں۔

"مجھے معلوم ہے تو امیر بندقدار کا زر خرید غلام تھا اور ایک پیسے کا مالک نہیں تھا۔ اب اللہ نے تجھے سلطنت دی ہے اور تو نے ہزاروں غلام خرید ڈالے ہیں جن کے تمام سامان طلائی ہیں اور تیرے محل میں سو کنیزیں ہیں جو زر و جواہرات سے لدی ہوئی ہیں جب تک مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ تو نے جہاد کے اخراجات کے لئے یہ سب قیمتی چیزیں اپنے غلاموں اور لونڈیوں سے لے لی ہیں۔ اس وقت تک میں غریب مسلمانوں کے مال لینے کا فتویٰ

تیرے حق میں نہیں لکھ سکتا"۔

بیبرس ناراض ہو جاتا ہے اور امام نووی کو شہر بدر کر دیتا ہے۔ پھر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور علامہ کو واپس آنے کی التجا کرتا ہے لیکن اللہ کے در کا یہ فقیر کمال بے نیازی سے جواب دیتا ہے" جب تک بیبرس موجود ہے میں نہیں آؤں گا"۔

آئیں جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی

(اقبال)

ایک ماہ کے بعد بیبرس فوت ہو جاتا ہے۔

یہ حضرت سعید بن میسّب ہیں جو نبوامیہ کے ایک افسر کو بڑی جرأت اور شانِ بے نیازی سے فرماتے ہیں نبوامیہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔ ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک ان سے پوچھتا ہے ابو محمد! میری اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ اچھا کام کرتا ہوں تو خوشی نہیں ہوتی برا کام کرتا ہوں تو رنج اور افسوس نہیں ہوتا۔ آپ فرماتے ہیں۔ "اب تمہارا دل بری طرح مر چکا ہے"۔

ایک مرتبہ حجاج کو جلدی جلدی نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ مٹھی بھر کنکر اور بجری اٹھا کر اسے مارتے ہیں وہ فوراً سمجھ جاتا ہے اور آہستہ آہستہ نماز پڑھنے لگتا ہے۔

یہ مصر کے امام اور محدث حضرت لیثؒ بن سعد ہیں ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید ان سے پوچھتا ہے کہ مصر کی خوشحالی اور فارغ البالی کا دارومدار کس چیز پر ہے وہ بڑی صاف گوئی سے کہتے ہیں دریائے نیل کے جاری رہنے پر اور حکام کے صلاح اور تقویٰ پر۔

ہماری تاریخ حق گوئی وبیباکی کے ایسے ہزاروں واقعات سے لبریز ہے۔

یہ اسی کے مختلف زاویئے ہیں کہ کبھی کربلا سجی، کبھی امام مالک پابند سلاسل ہوئے، کبھی امام احمد بن حنبل نے کوڑے کھائے اور کبھی امام ابوحنیفہ کا جنازہ جیل سے نکلا۔

اس قوم کی تاریخ اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ وہ قوم کبھی رسوا نہیں ہو سکتی اور اس

قوم کے عروج کے راستے کوئی بند نہیں کرسکتا جس میں حق گوئی اور بیباکی کا ملکہ پایا جاتا ہو۔ جس قوم میں حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے والے موجود ہو فتح اس کا مقدر اور عزت اس کا نصیب ہوتی ہے۔

بادشاہی نہیں خلافت والے

امت مسلمہ جس نظریہ اور بنیاد پر تشکیل پائی تھی۔ اس کے مطابق زمین و آسمان اور پوری کائنات کا مالک اور بادشاہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے وہ اپنی لاریب کتاب میں بارہا اعلان فرماتا ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (بقرہ:254)

''آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے''۔

اس کی بادشاہی کی وسعتوں کو جاننے کے لئے اس کا یہ فرمان پڑھیے

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ

(الرحمٰن)

''اے گروہ جن وانس! اگر تم زمینوں اور آسمانوں کی سرحدوں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ تم جہاں بھی جاؤ اسی کی بادشاہی کے جھنڈے لہرا رہے ہوں گے''۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب پاشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین (اقبال)

اس لیے کلمہ طیبہ کی بنیاد پر تشکیل پانے والی قوم کا فرماں روا بادشاہ نہیں خلیفہ ہوتا تھا۔ لوگوں کا مخدوم نہیں خادم ہوتا تھا۔

وہ لوگوں کو اپنا مطیع نہیں اللہ کا مطیع و فرمانبردار بناتا تھا۔ ان کے نزدیک خلافت کوئی دولت سمیٹنے کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اٹھانا تھا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کے مشہور قول کے مطابق کہ اگر دجلہ کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی پیاسا مر گیا تو قیامت کے

دن مجھ سے سوال ہوگا کہ تمہاری مملکت میں بکری کا بچہ پیاسا کیوں مر گیا تھا۔

وہ لوگ خلافت کو ایک بہت بڑی ذمہ داری سمجھتے تھے اور یہی چیز ان میں قوت عمل اور ایک بہت بڑا احساس جوابدہی پیدا کرتی تھی۔ سیدنا فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خلافت کا مفہوم ایک بڑھیا نے سمجھایا تھا۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیسے۔ فرمایا جب میں بیت المقدس کی فتح سے واپس آ رہا تھا تو میں نے سوچا کہ میں خیموں اور ڈیروں میں رہنے والے لوگوں کے پاس جاؤں اور ان سے پوچھوں کہ کیا وہ اپنے خلیفہ سے مطمئن ہیں۔ تو ایک خیمہ کے پاس چلے گئے۔ اس وقت دو اور صحابیؓ بھی آپ کے ساتھ تھے وہاں ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس سے پوچھا کہ بتائیں امیر المومنین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا آپ اس سے خوش ہیں کہنے لگی اللہ ان کا بھلا نہ کرے۔ سنا ہے بیت المقدس سے واپس آ گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ آپ امیر المومنین سے خوش کیوں نہیں ہیں کہنے لگی مجھے بیت المال سے میرا حصہ نہیں ملتا۔ آپ نے فرمایا آپ یہاں اتنی دور رہتی ہیں اور عمرؓ مدینہ میں رہتا ہے۔ تو اسے کیسے پتہ چلے کہ آپ کو حصہ ملا ہے یا نہیں۔ یا تو آپ ان سے ملیں اور اپنی شکایت کریں ورنہ اس سے ناراض ہونے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔

تو اس بڑھیا نے کہا اگر عمر فاروقؓ اپنی رعایا کے متعلق جان نہیں سکتا تھا تو پھر وہ خلیفہ کیوں بن گیا تھا؟ سیدنا فاروق اعظمؓ نے اس بڑھیا کو اس کا تمام پچھلا حصہ دلایا اسے راضی کیا اور ایک تحریر لکھ کر اس پر اس بڑھیا سے دستخط کروائے کہ میں امیر المومنین سے راضی ہوں اور موجود صحابہؓ سے اس پر بطور گواہ دستخط کروائے

وہ اس منصب کو لوگوں پر ظلم و ستم کا ذریعہ نہیں بناتے تھے بلکہ لوگوں کی خدمت کا وسیلہ بناتے تھے۔

یہی سبب ہے کہ کبھی بیت المال کا گمشدہ اونٹ تلاش کرنے کے لئے امیر المومنین سیدنا عثمان غنیؓ دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں بازاروں میں گھوم رہے ہیں۔ کبھی سیدنا فاروق اعظمؓ سونے والے قافلے کا پہرہ دے رہے ہیں۔

کیونکہ

بدر کے قافلہ سالار کا پیغام ہے یہ
لوگ سو جائیں تو نگرانی کو رہبر جاگے

کبھی چوبیس لاکھ مربع میل کا خلیفہ اپنے کندھوں پے خوردونوش کا سامان اٹھائے رات کی تاریکی میں جنگل کا رخ کر رہا ہے کیونکہ وہاں ایک مسافر خانہ بدوش کے بچے بھوکے ہیں۔ کبھی رات کی تاریکی میں اپنی زوجہ محترمہ کو ساتھ لیے شہر سے باہر جا رہے ہیں تا کہ وہ وہاں ایک مسافر عورت کی مدد کرے جس کے ہاں بچے کی ولادت کا وقت قریب ہے۔
واللہ! دنیا کی تاریخ ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔

وہ بیت المال کو اپنی جاگیر نہیں عوام کی امانت سمجھتے تھے۔ وہ بیت المال کے تیل سے جلتے ہوئے چراغ کی روشنی میں گھریلو بات کرنا بھی گناہ سمجھتے تھے وہ اس میں ایک پائی کے ہیر پھیر کے بھی قائل نہیں تھے۔ وہ اللہ کے حکم کو نافذ کرنا اپنی ذمہ داری گردانتے تھے۔ وہ جہاد کا حکم ہو یا علم کی نشر و اشاعت کا معاملہ، لوگوں میں عدل وانصاف کا رواج ہو یا لوگوں کو ان کے حقوق کی ادائیگی۔ وہ لوگوں کی جان ومال کا تحفظ ہو یا ان کی عزت وآبرو کی پاسبانی
وہ ہر معاملہ میں اپنے آپ کو ذمہ دار اور جوابدہ سمجھتے تھے کیونکہ وہ خلیفہ تھے بادشاہ تھے۔ اللہ کے احکامات کو نافذ کرنے والے تھے خود خدائی کے منصب پے فائز ہونے والے نہیں۔

جب تک بادشاہی کی جگہ خلافت کا نظریہ دلوں پے حکمران رہا۔ احساس ذمہ کے چراغ روشن رہے۔ اللہ کی مدد ان کے شامل حال رہی۔ اور آسمانی نصرتیں ہر قدم پے ان کی دستگیری کرتی رہیں۔

ان صفات سے کیسی شخصیات تشکیل پائیں؟

انسان دست قدرت کا شہکار ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتیں اور خوبیاں عطا فرمائی ہیں۔ جب یہ اپنے آپ کو خدائی سسٹم میں منظوم کر دے تو اس کی عظمتوں کا عروج

بیان سے باہر ہو جاتا ہے۔ اسلام کا عظیم فلسفی شاعر اقبال کتنی خوبصورت اور مبنی بر حقیقت بات کہتا ہے۔

ہفت اختر جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ سامان بھی ہے

اور

تیری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی
جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحان تو ہے

جس قوم کی وحدت اور طاقت کا راز ہی اقرار توحید و رسالت تھا جنہوں نے اس پیغام کو شعوری طور پر تسلیم کر لیا تھا جو انہیں کلمہ طیبہ نے دیا تھا تو ان کی ذات قدرت الٰہی کا مظہر اور حاکمیت الٰہی کے اظہار کا ذریعہ بن گئی تھی۔ ان کی شخصیتیں تبدیل ہو گئیں اور ان کے تعارف بدل گئے۔ ان صفات نے انسانوں کو کیا سے کیا بنا دیا چند مناظر ملاحظہ ہوں۔

یہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کی ہیبت سے قیصر و کسریٰ کے در و دیوار کانپتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر رونے لگے لوگوں نے پوچھا اے امیر المؤمنین! رونے کا کوئی سبب سمجھ نہیں آیا فرمایا میں عمرؓ۔ خطاب کا بیٹا ہوں۔ میرا باپ مجھے اونٹ چرانے کے لئے بھیجا کرتا تھا۔ مجھے اونٹ چرانے کا ڈھنگ اور سلیقہ نہیں آتا تھا۔ ایک مرتبہ میں اسی درخت کے نیچے سو گیا۔ میرے اونٹ بھاگ گئے۔ میرا باپ مجھ سے بہت خفا ہوا اور کہنے لگا تم اتنے نااہل اور نکمے ہو کہ تمہیں اونٹ بھی نہیں چرانے آتے۔ آج میں روتا اس آقا (ﷺ) کی یاد میں ہوں جو مجھے جہانبانی کے ڈھنگ اور سلیقے سکھا گئے۔

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب (اقبال)

یہ خالد بن ولید ہیں۔ یہ درست ہے کہ بہادر جری اور معاملہ فہم تھے لیکن کوئی ملکی سطح کے آدمی نہیں تھے لیکن اسلام قبول کرتے ہیں تو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار بن کر

ہیں۔ جو سامنے آتا ہے کٹ جاتا ہے۔ جو مدمقابل ہوتا ہے برباد ہو کے رہ جاتا ہے یہ خدائی تلوار روم پہ بجلی بن کے گری اور تاریخ عالم میں بہادری اور شجاعت کے نئے باب رقم کر گئی۔

یہ عمروؓ بن عاص ہیں۔ قریش کے سمجھدار سرداروں میں سے تھے۔ حبشہ میں قریش کے سفیر بن کر گئے تھے لیکن ناکام و نامراد لوٹے تھے انہیں دیکھئے جب اسلام کے دامن میں پناہ لیتے ہیں تو فاتحِ مصر بن کے صفحہ عالم پہ چمکتے ہیں اور تاریخ میں جراتوں اور شجاعتوں کے نئے نمونے چھوڑ جاتے ہیں۔

یہ حبشہ کے بلالؓ ہیں جو اسلام کے دامن میں آتے ہیں تو سیدنا فاروق اعظمؓ بھی انہیں سلام عقیدت پیش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں اَبُوْ بَکْرٍ سَیِّدُنَا وَ اَعْتَقَ سَیِّدَنَا بَلَالَ۔ ابوبکر ہمارے سردار ہیں جنہوں نے ہمارے سردار بلالؓ کو آزاد کروایا تھا۔ سبحان اللہ! ابوبکرؓ بھی سردار ہیں اور بلالؓ بھی سردار ہیں۔ کعبہ کی چھت پہ چڑھ کے اذان پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں بدر کے دن اسی ظالم آقا کو کیفر کردار تک پہنچاتے ہیں جو ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑا کرتا تھا۔

ذرا سلمانؓ فارسی کی عظمت بھی ملاحظہ ہو۔

ایک مذہبی عہدہ دار کے بیٹے ہیں۔ کسی طرح بکتے بکاتے مدینہ پہنچے ہیں۔ پھر مدائن کے حاکم بنتے ہیں۔ کل جس ملک کے ایک عام باشندے تھے آج اس کے فرمانروا ہیں۔

یہ حضرت ابوعبیدہؓ ہیں۔ کوئی عرب کے مشہور آدمی نہیں تھے لیکن مسلم قومیت کے ایک فرد بنتے ہیں تو عظیم سپہ سالار بن کے چمکتے ہیں مسلمانوں کے سب سے بڑے لشکر کی قیادت کرتے ہیں اور ہرقل کو ہمیشہ کے لئے شام سے نکال دیتے ہیں۔

یہ ابوذرؓ، مقدادؓ اور ابودرداءؓ ہیں جو زہد وتقویٰ کے آسمان پر درخشندہ آفتاب بن کے چمکتے ہیں۔

یہ عبداللہؓ بن مسعود، علیؓ ابن ابی طالب، زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن عباسؓ اور عائشہؓ ہیں جو علم وفضل کے امام اور مقتدا ہیں جن سے علم کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ حکمت ان کی زبانوں پر

جاری ہے یہ دل کے سچے، علم میں پختہ اور تکلف سے کوسوں دور۔ زمانہ علم وفضل کی خیرات لینے کے لئے ان کے در پے کاسہ گدائی لیے کھڑا ہے۔

یہ اسی توحید کے مختلف ثمرات ہیں اور اسی کلمہ طیبہ کے متعدد روپ جو مسلم قومیت کی بنیاد اور سبب بنا تھا۔

ولایت، پادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نقطہ ایماں کی تفسیریں (اقبال)

اسلام نے انسان کی خفیہ صلاحیتوں کو جگا دیا اور اسے انسانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ بندہ جب کسی اعلیٰ صفت سے محروم ہو تو وہ اس صفت کی عظمت کا ہی انکار کر دیتا ہے "الناس اعداء لما جهلوا" لوگ اس کے دشمن ہوتے ہیں جسے وہ جانتے نہیں ہیں۔

لیکن حقیقتیں کبھی مسخ نہیں ہوتیں اور بندے کا ضمیر زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پے ان حقیقتوں کو ضرور تسلیم کر لیتا ہے جنہیں وہ زندگی بھر اپنے مفادات کے لئے جھٹلاتا رہا ہوتا ہے

کوئی مانے یا نہ مانے یہی وہ صفات تھیں جنہوں نے مسلم قومیت کو فاتح عالم بنا دیا تھا۔ وہ جنگ کے فاتح بھی تھے اور علم وادب کے امام بھی، وہ راتوں کے راہب بھی تھے اور دنوں کے شہسوار بھی۔ فتح ان کا مقدر اور عروج ان کا نصیب تھا اور منظر کچھ یوں تھا۔

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

(اقبال)

اسبابِ زوالِ امت

اگرچہ زر بھی ہے جہاں میں قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے جس کو تو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں میرا جو ہر آشکارا ہوا
قلندری سے ہوا ہے سکندری سے نہیں

(اقبال)

اللہ تعالیٰ صرف مسلمانوں کا رب نہیں ہے وہ ساری مخلوقات اور تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس نے کائنات کو جن عالمگیر اصولوں کے تحت چلایا ہے اور ترقی کے جو اصول وضوابط قائم فرمائے ہیں۔ جو بھی ان عالمگیر اصولوں کو اپنائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ اگر کوئی بھی قوم جہد مسلسل، والہانہ لگن اور صداقت و جفاکشی کو اپنا شعار بنائے گی تو اس کی محنتوں اور مشقتوں کو صرف اس لیے ضائع نہیں کر دیا جائے گا کہ وہ اہل ایمان نہ تھی اور نہ ہی کسی خود فراموش، زمانے کے تقاضوں سے آنکھیں بند کر لینے والی اور ہاتھ دھرے بیٹھی رہنے والی قوم کو محض اس لیے عروج اور ترقی عطا کر دی جائے گی کہ اس کے افراد کلمہ پڑھنے والے تھے۔

ہاں اگر کوئی اہل ایمان ان عالمگیر صداقتوں کو اپنائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی خصوصی مدد فرماتا ہے کیونکہ یہ اس کے دین کے علمبردار اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کا عزم لیکر نکلے ہیں۔ لیکن اگر کوئی کافر، ملحد اور دہریہ قوم بھی ان عالمگیر سچائیوں کو اپنا بھی لے تو انہیں بھی ان کی اجرتوں سے محروم نہیں رکھا جائے گا اگرچہ آخرت میں کافروں کا کوئی حصہ نہیں۔

امت مسلمہ جب تک ان اعلیٰ صفات کی حامل رہی جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے تو انہیں عزت وعظمت نصیب رہی۔ عروج اور ترقی کی منزلیں ان کا استقبال کرتی رہیں۔ لیکن اس قوم نے سہل پسندی کو اپنا شعار بنالیا، ان کے علماء و مفکرین اسلام کی آفاقی فکر سے غافل ہو گئے، امانت کی جگہ بد دیانتی اور لوٹ کھسوٹ نے لے لی، خلافت کی جگہ بادشاہت نے ڈیرے جما لیے، موت کی بجائے زندگی محبوب ہو کے رہ گئی، ایثار کی جگہ ہوس پرستی اور خود غرضی کا دور دورہ ہو گیا، ذاتی مفادات کو قومی، ملکی بلکہ دینی مفادات پر ترجیح دی جانے لگی، اطاعت امیر کی جگہ اپنی انا اور ذات کی اطاعت نے لے لی اور اپنا اقتدار ملک، قوم اور دین سے زیادہ محبوب ہو گیا، تو عزت و سربلندی کے تاج اس قوم سے چھین کر دوسروں کو پہنا دیئے گئے کیونکہ

عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور
مسلم آئین ہوا کافر تو ملے حور و قصور

(اقبال)

امت زوال پذیر کیوں ہوئی؟ اہل اسلام دنیا میں ہر جگہ کیوں پٹ رہے ہیں؟ باوجود کثیر ہونے کے مغلوب کیوں ہیں؟

یہی ہیں وہ سوالات جن کا جواب دینے کی کوشش آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔

تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنے سے اور امت مسلمہ کے ماضی اور حال پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے اس کے زوال کے چند بڑے اسباب یہ نظر آتے ہیں۔

ایمان سے رسمی تعلق

شو رہے ہو گئے دینا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

(اقبال)

امام مالکؒ فرماتے ہیں۔

لَنْ يُصْلِحَ آخِرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا مَا اَصْلَحَ اَوَّلَهَا

''اس امت کے آخر کی اصلاح بھی وہی چیز کرے گی۔ جس نے اس کے اوّل کی اصلاح کی تھی''۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ مسلمان زوال پذیر کیوں ہیں؟ تو اس سوال کا جواب اس وقت تک نہیں مل سکے گا جب تک اس سوال کا جواب نہ مل جائے کہ مسلمانوں کو عروج کیسے ملا تھا؟ وہ کیا چیز تھی جس نے ایک منتشر اور پراگندہ قوم کو متحد کر کے ایک ناقابلِ تسخیر قوت بنا دیا تھا ایک شتر بے مہار قوم نے اعلیٰ ترین مقصد پر عملی طور پر اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا۔ وہ کیا تھا جس نے غلاموں کو انداز جہانبانی سکھائے تھے۔ جس نے رہزنوں کو امانتوں اور دیانتوں کے پیکر بنا دیا تھا۔ جس نے صرف جذبہ قومیت میں لڑنے مرنے والی قوم کو عدل واحسان کے ہمالہ بنا دیا تھا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ قوت اور وہ چیز ایمان اور صرف ایمان تھی۔

اس حقیقت کا انکار صداقت کا انکار ہوگا اور تاریخ کے منہ بولتے شواہد کا بھی۔ کہ امت مسلمہ کے تمام عروج کا سبب صرف اور صرف قوت ایمانی تھی ان کے زوال، تمام تر پستیوں اور ذلتوں کا سبب صرف اور صرف ایمان سے دوری اور قوت ایمانی سے محرومی ہے۔

قرآن وسنت تو اس پر شاہد ہیں ہی۔ غیر مسلم مفکرین بھی یہی نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوئے مشہور فرانسیسی مفکر ڈاکٹر گستاؤلی بان مسلمانوں کے اسباب عروج پے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ان میں جن کی ہم تحقیق کریں گے۔ سب سے پہلا وہ سبب ہے جس نے عربستان کے علیحدہ علیحدہ قبیلوں کو ایک قوم بنایا۔ یعنی مذہب اسلام۔ اس مذہب نے ان اقوام میں ایک ایسا تخیل پیدا کر دیا تھا جو ان میں کبھی نہ تھا اور یہ تخیل اس درجہ قوی تھا کہ پیروان اسلام

اس کے لیے اپنی جان دینے کو موجود تھے۔

میں کئی مرتبہ بیان کرچکا ہوں کہ کسی ایک تخیل کی پرستش بہت ہی بڑا سبب ترقی انسانی کا ہے یہ تخیل کسی قسم کا کیوں نہ ہو اس قدر کافی ہے کہ وہ اتنا قوی ہو کہ قوم میں متحدہ محسوسات اور متحد امیدیں پیدا کردے اور قوم کے ہر فرد کا اعتقاد اس کی نسبت ایسا پر زور ہو کہ وہ اس کے لیے اپنی جان دینے پر آمادہ ہو جائے۔ رومیوں کا تخیل شہر روم کی ترقی تھی۔ عیسائیوں کا تخیل آسائش عقبیٰ کا حاصل کرنا تھا............. آنحضرت ﷺ نے جو تخیل قائم کیا وہ بالکل مذہبی تھا۔ اور عربوں کی حکومت میں یہ ایک عجیب خاصیت ہے کہ یہی ایک بڑی حکومت دنیا میں ہے جو مذہب کے نام پر قائم ہوئی اور جس کے کل ملکی اور معاشرتی نظامات اسی مذہب پر مبنی ہیں"۔(1)

یہ ایمان کی قوت ہی تھی جس کے سبب مسلمان چار دانگ عالم میں چھا گئے تھے۔ شاید کچھ لوگوں کو یہ ایک جذباتی، غیر تحقیقی اور مولویانہ سی بات محسوس ہوتی ہو۔ بہت ممکن ہے ایسا ہو۔ عموماً یہ بات وہی شخص سوچے گا جس کا مذہب سے اپنا تعلق رسمی یا برائے نام سا ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو اسے مطمئن کرنے کی کوشش سے بھی میں معذرت خواہ ہوں کیونکہ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ انسان خود جس صفت سے محروم ہو وہ اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا۔

اَلنَّاسُ اَعْدَاءُ لِمَا جَهِلُوْا

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم

(اقبال)

میرے مخاطب صرف وہ لوگ ہیں جو سنجیدگی سے اس بات پر غور کرنا چاہتے ہیں۔

ایمان دراصل کوئی انفرادی یا ذاتی نوعیت کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ایمان ایک ایسا بیج ہے کہ جملہ محاسن اور اوصاف حسنہ جس کے برگ و بار ہیں۔ جس بندے کو ایمان شعوری طور پر

1۔ تمدن عرب، صفحہ 517

نصیب ہو جائے جس کا ایمان موروثی ہی نہ رہے بلکہ وہ خود ایمان کو دریافت کر لے تمام اوصاف حمیدہ اس کی ذات سے ایسے ہی ظاہر ہوتے ہیں جیسے چاند سے چاندنی یا سورج سے روشنی اور حرارت۔

امت مسلمہ کی وہ جملہ صفات جوان کے عروج اور ترقی کا باعث بنیں۔سوال یہ ہے کہ وہ ان میں کہاں سے آئیں؟ کیسے پیدا ہوئیں؟ اور وہ ان صفات کے حامل کیسے بنے؟۔تو اس کا جواب صرف اور صرف یہ ہے کہ یہ سب ایمان کا نتیجہ اور ثمرہ تھیں۔

جب ایمان مل گیا۔اللہ کی قوتوں پر یقین ہو گیا تو انسان شجاع بھی ہو جاتا ہے اور دلیر بھی۔جب ایمان مل گیا اور انسان کو یقین ہو گیا کہ میرے پاس جو کچھ ہے میرے رب کی طرف سے امانت ہے تو انسان امین بھی ہو جاتا ہے اور ذمہ دار بھی۔جب قوت ایمانی نے اسے سکھا دیا کہ تو اس جہان میں جانوروں کی طرح زندگی گذارنے نہیں آیا بلکہ تجھ پر تیرے رب نے دعوت وارشاد کی ذمہ داری ڈالی ہے اور ختم نبوت کے بعد تو فریضہ نبوت ادا کرنے کا پابند ہے تو انسان کو مقصد سے والہانہ لگن بھی مل جاتی ہے اور سب کچھ لٹانے کا جذبہ بھی۔جب ایمان نے اسے دنیا وعقبی کی حقیقتیں سمجھا دیں تو اس پر دنیا کا فریب بھی کھل گیا اور وہ ابدی جنتوں اور مسرتوں کا طالب بھی بن گیا۔یہ ایمان ہی ہے جو فقر کو غیور بناتا ہے اور شاہی کو خلافت میں تبدیل کرتا ہے۔

ولایت، بادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہے؟ فقط اک نقطہ ایماں کی تفسیریں

(اقبال)

ایمان کوئی زبانی جمع خرچ کا نام نہیں۔بلکہ ایک کیفیت ہے جس میں ایک بندہ اپنے آپ کو خالق کائنات سے وابستہ کر کے قطرہ سمندر کی وسعتیں سمیٹ لیتا ہے اور ذرہ صحراؤں کی پہنائیوں کا امین بن جاتا ہے۔

میں کچھ نہیں سب کچھ میرا رب ہے۔کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔سب کچھ میرا خدا کرتا ہے۔

میرا کچھ نہیں۔ سب کچھ میرے خدا کا ہے۔ ایمان کے یہ رخ بندوں سے تکبر، فخر اور انانیت کی نفسیات چھین کر اسے ایک ایسا انسان بنا دیتے ہیں۔ جو خود غرض نہیں ہوتا۔ اپنے مقصد سے والہانہ لگن رکھتا ہے۔ جس کا جینا اپنے لیے نہیں دوسروں کے لئے ہوتا ہے۔ جو شاہی میں بھی فقیر ہوتا ہے اور فقیر میں بھی بادشاہ ہوتا ہے۔ اقتدار کا نشہ جسے خدا اور مخلوق کا باغی نہیں بناتا بلکہ خدا کی رضا اور خلق کی خدمت کا ذریعہ بناتا ہے۔

وہی ہوتا ہے جو، خدا کرتا ہے کا نظریہ انسان کو بلا کا جری اور شجاع بنا دیتا ہے۔ اس لیے وہ اپنی کمزوری اور بے بضاعتی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بڑے بڑے جابروں کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا ہے۔

بڑے بڑے لشکروں سے ٹکرا جاتا ہے۔ یہ ایمان کا ہی نتیجہ تھا۔

ٹل نہ سکتے تھے، اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

(اقبال)

یہ اس ایمان کا ثمرہ تھا کہ جس خاتون کا پہلے ایک بھائی قتل ہوا تو پھر اس نے ایسے جگر دوز مرثیے کہے کہ خود بھی چیخ چیخ کے روئی اور زمانے کو بھی رولایا۔ اس کے مرثیوں نے پتھروں کے سینوں میں شگاف ڈال دیئے۔ لیکن جب اسے ایمان کی دولت ملی۔ تو وہ اپنے چار بیٹوں کو میدان جہاد میں اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے بھیجتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ یاد رکھو اگر کسی کی پشت پر تیر لگا تو اسے اپنا دودھ نہیں بخشوں گی۔ تیر سینے پہ کھاؤ میدان میں ڈٹ کر لڑو۔ دشمن کو پشت نہ دکھاؤ۔

اور اس میدان میں جب اس کے چاروں بیٹے شہید ہو گئے۔ تو اس نے کہا۔ حمد ہے اس خدائے عظیم کی جس نے مجھے چار شہیدوں کی ماں بنایا ہے۔

ملتِ اسلامیہ کی تمام پستیوں اور دکھوں کا صرف اور صرف ایک ہی علاج اور حل ہے کہ ان کے سینوں میں ایمان کی شمعیں روشن کر دی جائیں۔ جملہ روگ جو ان کے جسد قومی کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں خود بخود ختم ہو جائیں گے بقول مرشد رومی۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
آن طبیب جملہ علت ہائے ما

میرے قدرتوں والے رب کا فرمان بھی یہی ہے۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ (آل عمران)

''اور تم ہی سر بلند ہو گے اگر تم ایمان والے ہو''۔

قرآن وسنت اس پہ شاہد ہیں کہ جذبہ ایمانی اور غیرت ایمانی ہی مسلمانوں کے عروج اور ان کی ترقی کا سبب تھے۔ اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد والے زمانوں میں بھی جب ایمان اپنے جوبن پر نہ بھی رہا تھا لیکن دینی غیرت اور حمیت باقی رہی وہ بھی مسلمانوں کی سر بلندیوں کا دور رہا لیکن جب سے دینی جذبہ بھی مفقود ہوا اور دینی حمیت بھی۔ تب سے مسلسل پستی اور ادبار کا دور دورہ ہے۔

ایمان سے کیسے افراد تشکیل پاتے ہیں

ایمان صرف کسی مذہبی عقیدت یا ذاتی جذبہ کا نام نہیں ہے بلکہ ایمان سے جو افراد تشکیل پاتے ہیں وہ ایسی صفات کے حامل ہوتے ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت ان پہ غالب نہیں آسکتی۔ قرآنِ حکیم کی روشنی میں ان کی چند صفات ملاحظہ ہوں۔

(1) سب سے بڑھ کر اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کوئی قوم اپنے ذاتی مفادات اور خواہشات کی تکمیل کو اپنے نصب العین اور ملک وقوم پر ترجیح دینے لگتی ہے تو ایسی مفاد پرست اور گھٹیا فکر کی حامل قوم کو

ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔
لیکن ایمان جن افراد کو تشکیل دیتا ہے خدا اور رسول کی محبت کے سامنے وہ ہر چیز کو ہیچ
کر دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (بقرہ:165)

''اور ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھنے والے ہیں''

اہل ایمان کی عظمت کا یہ رخ بھی ملاحظہ ہو

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ
عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ
مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ
سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ۝ (توبہ)

''کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان، تمہارے مال جو تم نے کمائے ہیں، وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں۔ تمہیں اللہ اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں کسی چیز اور محبت کو کوئی اہمیت نہ دی جائے

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

(اقبال)

(2) اللہ کے مقابلے میں ہر چیز کو چھوڑ دینے والے

ایمان کی پکار یہ ہے کہ جو بھی چیز اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں آئے وہ بظاہر کتنی ہی قریبی

محبوب اور عزیز کیوں نہ ہو اسے کوئی اہمیت نہ دی جائے۔ اللہ کے مقابلہ میں آنے والے ہر محبوب چیز کو ٹھکرا دینا اہل ایمان کا وطیرہ ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ (توبہ)

"اے ایمان والو! اپنے باپوں اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں اور تم میں سے جو ان کو اپنا دوست بنائیں گے تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں"۔

ایک مقام پر اہل ایمان کی نشانی یہ بتائی گئی۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (مجادلہ:22)

"تو ایسی قوم نہ پائے گا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھے جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں اگرچہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے"۔

جس قوم کی محبتوں کا معیار اتنا بلند ہو وہ نا قابل تسخیر قوم ہوتی ہے۔

(3) صرف اللہ تعالیٰ سے ہی عزتوں کے طالب

ایمان بندے کو یہ سبق دیتا ہے کہ تمام عزتوں اور سر بلندیوں کا مالک اللہ ہے۔ اور انسان کو جو بھی عزت ملے گی وہ صرف اور صرف بارگاہِ الٰہی سے ہی ملے گی۔ مؤمن عزت کے حصول کے لئے اور ذلت سے بچنے کے لئے اللہ کے دشمنوں کے در پر کاسہ گدائی لے کر نہیں جاتا۔ وہ کافروں سے مدد کا خواستگار نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تمام معاملات میں اپنا دامن

طلب صرف اور صرف اپنے رب کریم کے سامنے پھیلاتا ہے۔ظاہر ہے جس بندے کی فکر اتنی اعلیٰ اور ارفع ہو وہ کبھی بھی اپنے مفادات کے لئے اور حصول عزت کے لئے نہ ملک سے غداری کرے گا نہ جماعت سے اور نہ ہی قوم سے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جن عزتوں کی بھیک غیروں کے در سے مانگی گئی ہے وہ عزتیں ان افراد کے لئے ہمیشہ کے لئے ذلتوں اور رسوائیوں کا سامان بنیں ہیں۔صرف اللہ سے عزتوں کا طالب ہونا ایمان کی پکار ہے اور کسی بھی قسم کی عزت کا سوال یا امید خدا کے منکروں سے کرنا منافقت ہے۔

قرآن کریم نے کتنے واضح الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرمایا۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ (النساء)

''منافقوں کو دردناک عذاب کی بشارت دیجئے وہ وہی ہیں جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔کیا وہ ان کے پاس عزت کی تلاش کر رہے ہیں اور عزت ساری اللہ کے لئے ہے''۔

قرآن مجید اس بات کو بڑے پرزور انداز میں ذکر کرتا ہے کہ عزتیں تو ملتی ہی خدا و رسول کے دامن سے وابستہ ہونے میں ہیں۔

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

''اور عزت اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور مومنون کے لئے ہے۔لیکن منافق اس بات کو نہیں جانتے''۔(المنافقون)

عزتوں کے حصول اور ذلتوں سے حفاظت کے لئے صرف اور صرف رب ذوالجلال کی طرف رجوع کرو۔یہ ایمان کی پکار بھی ہے اور ایمان کا تقاضا ہے۔

(4) صرف اہل ایمان سے محبت کرنے والے

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق اصل محبت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ رسول کریم ﷺ کی محبت اس لیے ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور محبوب بھی۔ ہر وہ محبت جو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کی جائے گی وہ اللہ کی ہی محبت ہے۔ اسی لیے اہل ایمان کی محبت بھی اللہ کی ہی محبت ہے۔ یہی سبب ہی کہ فرمایا گیا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ "صرف مومن ہی آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔

یہ درست ہے کہ اسلام تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ قرار دیتا ہے۔ لیکن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کی پینگیں بڑھانا اسلام میں سخت ممنوع ہے۔ کفر میں کتنا ہی کرّ وفر ہو کتنا دبدبہ اور جاہ وجلال ہو۔ لیکن مومن ہر حال میں کافر پر مومن کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی نظر میں ایمان سے بڑھ کر نہ کوئی دولت ہے اور نہ کوئی دوستی کا سبب۔ اس لیے مومن کبھی بھی مومن کو چھوڑ کر کافر کی طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ رب جلیل کو یہی فکر مطلوب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (مائدہ)

"اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو شخص انہیں اپنا دوست بنائے گا۔ وہ انہیں میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا"۔

ایمان کا تقاضا ہے کہ مومن کی دوستی مومن سے ہونی چاہیے نہ کہ کروفر اور جاہ وحشمت کو دیکھ کے کافر سے۔

اپنے جان ومال اللہ کے ہاتھ بیچنے والے

تاریخ میں ایسے ان گنت شواہد محفوظ ہیں کہ فقط اپنی جان کو بچانے کے لئے یا مال و دولت میں اضافہ کرنے کے لئے ملک وقوم کے ساتھ غداری کی گئی۔ اور پوری ملت کو ذلت اور غلامی کے آہنی شکنجوں میں جکڑ دیا گیا۔ لیڈر بک گئے، بادشاہوں نے اپنی قیمت وصول

کر لی۔اور قوموں کے سربراہ قوموں کا سودا کر کے بیٹھ گئے۔

لیکن ایمان کہتا ہے کہ تیرا مال تیرا نہیں ہے تو اسے اللہ کے ہاتھ بیچ چکا ہے تیری جان تیری نہیں ہے تو اس کا سودا اپنے رب سے کر چکا ہے۔ جان و مال کا بیچنا صرف زبانی جمع خرچ کا نام نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جان و مال میں تصرّف ویسے ہی کیا جائے گا جیسے تیرا رب کہتا ہے مال سے ایسی محبت جو تجھے رب سے باغی کر دے اور جان سے اتنا پیار کہ تو احکام خداوندی سے بغاوت پے آمادہ ہو جائے اس سودے کے منافی ہے جو تو اپنے رب سے کر چکا ہے۔

سن! رب جلیل کیا فرماتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جان اور ان کا مال خرید لیا ہے۔ اس بدلہ میں کہ وہ انہیں جنت دے گا، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔ یہ اللہ کے ذمہ ایک سچا وعدہ ہے۔ تورات میں، انجیل میں اور قرآن میں۔ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہے۔ پس تم اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو تم نے اللہ سے کیا ہے۔ اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے"۔ (توبہ)

اپنے جان و مال کو اللہ کے ہاتھ بیچ دینا بھی ایمان کا تقاضا ہے۔

ہجرت، جہاد اور نصرت ایمان کے ہی مظہر ہیں

جب کسی قوم کو اپنا وطن اتنا محبوب ہو جائے کہ وہ وطن پر اپنے مقصد اور مشن کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کریں۔

جب کسی قوم کی ساری کوششیں اور جدوجہد کے سارے رخ اپنے مفادات کے گرد ہی گھومنے لگیں۔

اور جب کوئی قوم اپنے مقصد اور مشن کے لیے قربانیاں دینے سے انحراف کرنے لگے تو اس قوم کو پستیوں کی عمیق گہرائیوں میں گرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس کی زندگی عزت کی رہتی ہے اور نہ موت۔

ع کہتا ہے کون اس کو مسلماں کی موت مر

لیکن جب بندے کو ایمان مل جاتا ہے تو اس کے لیے وطن چھوڑنے کا جذبہ، اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے سرتوڑ کوشش کرنا اور نصرت دین میں جان و مال کے اثاثے لگا دینا اس کے لئے نہ کوئی اوپری چیز ہوتی ہے اور نہ مشکل کام۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کے ساتھ ایسا مربوط کر دیا ہے کہ جیسے دو اور دو کا قطعی نتیجہ چار ہی ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ
نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

"اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے بخشش اور بہترین رزق ہے"۔ (انفال)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ
جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

"مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر انہوں نے شک نہیں کیا۔ اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ یہی سچے لوگ ہیں"۔ (الحجرات)

جب کوئی قوم ایمان کو شعوری طور پر قبول کر لیتی ہے۔ تو ایمان انہیں جن صفات کا حامل

بنا دیتا ہے۔ قرآن مجید انہیں متعدد مقامات پر بیان کرتا ہے ایمان کو اس کی تمام حقیقتوں کے ساتھ قبول کر لینے والوں کی چند صفات آیات قرآنیہ سے اخذ کر کے ذکر کی جاتی ہیں۔ تاکہ ایمان کی وسعتوں اور ہمہ گیریوں کا اندازہ لگایا جا سکے۔

قرآن حکیم کی وضاحتوں کے مطابق اہل ایمان۔

نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔

بدی اور گناہ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہیں کرتے۔

دشمنوں سے بھی عدل وانصاف کا سلوک کرتے ہیں۔

ہر حال میں خدا اور رسول کے فرمانبردار ہوتے ہیں۔

اپنے معاملات صلح وصفائی سے طے کرتے ہیں۔

کبھی خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے۔

خضوع وخشوع سے نمازیں ادا کرتے ہیں۔

لغو اور بیہودہ امور سے اجتناب کرتے ہیں۔

اپنی عفتوں اور عصمتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے کے رسیا ہوتے ہیں۔

امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرتے ہیں۔

ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

زمین میں سیر وسیاحت سے منکروں کے انجام سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

نیکی کا حکم دیتے ہیں۔

برائی سے روکتے ہیں۔

مشکلات میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

رات کے پچھلے پہر خدا کے حضور گڑگڑاتے ہیں۔

خوشحالی اور تنگدستی کی دونوں حالتوں میں راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

غصہ پی جاتے ہیں۔
لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔
راہِ خدا میں آنے والی کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔
برائی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں۔
یا دشمن کو سزا دیتے ہوئے بھی حد سے تجاوز نہیں کرتے۔
قول و عمل سے جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔
باہمی معاملات مشورہ سے طے کرتے ہیں۔
ہر حال میں رضائے الٰہی کے طالب رہتے ہیں۔
کفر کے مقابلہ میں سیسہ پلائی دیوار بن جاتے ہیں۔
آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے ہیں۔
زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں۔
جاہلوں سے الجھتے نہیں ہیں۔
بخل کرتے ہیں نہ فضول خرچی۔
دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دیتے ہیں۔
احکام الٰہی کے نفاذ میں کسی خطرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔
نشہ آور چیزوں کے قریب بھی نہیں جاتے۔
بے جا سوالات میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔
سچوں کا ساتھ دیتے ہیں۔
کسی بھی خبر کو بغیر تحقیق کے نہیں مانتے۔
کسی کو حقیر نہیں جانتے۔
لڑے ہوؤں میں صلح کرواتے ہیں۔
زیادتی کرنے والے کے مقابل ڈٹ کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

بدگمانی نہیں کرتے۔

کسی کے عیبوں کا پیچھا نہیں کرتے۔

کسی کو حقارت سے نہیں دیکھتے۔

ذات پات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

صدق اور امانتداری کو اپنا شیوہ بناتے ہیں۔

آج کو کل پر قربان کر دیتے ہیں۔

جو کہتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔

مال و اولاد کی محبت انہیں یادالٰہی سے نہیں روکتی۔

اپنے مالوں سے غربا و مساکین کا حق نکالتے ہیں۔

حضور ﷺ کے فیصلہ اور حکم میں ذرہ برابر شک نہیں کرتے۔

اللہ کے دشمنوں کو دوست نہیں بناتے۔

انسان کا بحیثیت انسان احترام کرتے ہیں۔

راہ جہاد میں نکلنے سے کسی سستی اور بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

دشمنوں کے معاملہ میں ہمیشہ چوکس رہتے ہیں۔

دشمنوں سے نپٹنے کے لئے بھرپور قوت تیار رکھتے ہیں۔

مومنوں کو چھوڑ کر کبھی کافروں کو دوست نہیں بناتے۔

ان کی نماز، قربانی اور زندگی کا ایک ایک لمحہ رضائے الٰہی میں صرف ہوتا ہے۔

انہیں تجارت اور معاملاتِ حیات یادالٰہی سے غافل نہیں کرتے۔

اور

وہ ہر حال میں نصرتِ دین میں مگن رہتے ہیں

چو می گویم مسلمانم بلرزم

کہ دانم مشکلات لا الٰہ لا (اقبال)

سوچئے، فیصلہ فرمایئے اور اپنے ضمیر سے فتوی لیجئے۔ کہ جس قوم کی نفسیات وہ بن جائیں جن کی طرف ایمان دعوت دے رہا ہے تو وہ قوم رفعتوں اور ترقیوں کے بام عروج پے کیوں نہ پہنچے گی ؟ جب بھی کوئی قوم ایمان کو حقیقت میں قبول کر لے تو اس سے ان صفات کا ظہور ایسے ہی لازمی ہے جیسے پھول اور خوشبو یا چاند اور چاندنی۔

ایمان کو قبول کر لینے والی قوم کبھی خود غرض مطلب پرست اور بک جانے والی نہیں رہتی بلکہ وہ ملک و قوم کے وفادار، قربانیاں دینے والے، دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینے والے، دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے والے، ملت اسلامیہ کو جسدِ واحد سمجھنے والے، خالق اور مخلوق کے وفادار ہوتے ہیں۔ اور ایمان سے دوری ان صفات عالیہ سے محرومی اور پستیوں میں گرنے کا دوسرا نام ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اگر انہیں کہا جائے کہ مسلمانوں کی پستیوں کا سبب صرف اور صرف ایمان سے دوری ہے تو انہیں یہ بات حقیقت سے بہت دور، فقط عقیدت پر مبنی اور مولویانہ سی محسوس ہوتی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان آج اسلام سے دور ہیں تو کیا آج کی فاتح اور غالب اقوام اپنے مذہب سے دور نہیں ہیں۔ کیا ان لوگوں نے عیاشی کو اپنا وطیرہ نہیں بنایا؟ کیا وہ رقص و سرور کے دلدادہ نہیں؟ کیا ان کی عورتیں کلبوں میں نہیں جاتیں؟ تو پھر وہ فاتح اور غالب کیوں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ایک بہت بڑا طبقہ اسلام پر عمل پیرا ہے۔ تو پھر ہم ذلیل کیوں ہیں؟

غلام احمد پرویز صاحب اسی پس منظر میں لکھتے ہیں۔

"کیا ہمیں کہیں سے اس بات کا اطمینان بخش جواب مل سکتا ہے کہ مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہے ذلیل اور خوار کیوں ہے؟ مفلس نادار کیوں ہے؟ دوسروں سے پیچھے کیوں ہے؟ غیروں کا محتاج کیوں ہے؟ ان کے در کا بھکاری کیوں ہے؟

اس سوال کا جواب آپ کو اور تو کہیں سے نہیں ملے گا لیکن اگر آپ مسجد میں خطبہ یا وعظ

سنیں گے، تو وہاں آپ کو یہ آواز سنائی دے گی کہ مسلمان اس لیے ذلیل اور خوار ہے کہ اس نے مذہب کو چھوڑ دیا ہے اور اس کی تفصیل یہ بتائی جائے گی کہ مغرب کی تعلیم نے قوم کو لامذہب بنا دیا ہے یہ نماز نہیں پڑھتے، روزے نہیں رکھتے، سوٹڈ بوٹڈ رہتے ہیں، ڈاڑھی منڈواتے ہیں، کلبوں میں جاتے ہیں، وہاں ناچتے کودتے ہیں۔ ان کی بیویاں پردہ نہیں کرتی ہیں، میک، پ کرتی ہیں، سینما جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کہنے والے تو یہ کہہ کر چلے جاتے ہیں لیکن آپ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ کیا مسلمانوں کی ذلت اور پستی کی وجہ یہی ہے کہ جو ہمیں بتائی جاتی ہے؟ سب سے پہلے تو یہ دیکھیے کہ دنیا میں جو قومیں ہم سے آگے ہیں اور جن کے ہم محتاج ہیں وہ بھی یہی کچھ کرتے ہیں انہوں نے بھی اپنے اپنے مذہب کو چھوڑ رکھا ہے۔ وہ بھی کلبوں میں جاتے ہیں، ناچتے کودتے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی بناؤ سنگھار کرتی ہیں۔ جیم خانوں میں جاتی ہیں پھر وہ ہم سے آگے کیوں ہیں؟ دوسری طرف یہ بھی دیکھئے کہ ہم میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جنہوں نے مذہب کو چھوڑ رکھا ہے۔ باقی سب مذہب کے پابند ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں۔ ان کا لباس، وضع قطع، سب مذہب کے مطابق ہیں۔ ان کی بیویاں پردہ کرتی ہیں۔ وہ کلبوں میں جاتیں ہیں نہ جیم خانوں میں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی حالت بھی ویسی ہی ہے جیسی دوسرے مسلمانوں کی۔ مذہب کی پابندی نے ان کی حالت کو بہتر نہیں بنا دیا''۔(1)

کاش ایسی فکر کے حامل لوگ اسلام کی وسعتوں کو سمجھ لیتے، ایمان کی حقیقتوں پر غور فرما لیتے۔ تو ان پر واضح ہو جاتا کہ اسلام صرف نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، کلبوں میں نہ جانے اور کسی مخصوص وضع قطع کو اپنا لینے کا ہی نام نہیں ہے ذرا دو صفحے پلٹ کر ایمان کے تقاضوں پر پھر نظر ڈال لیجئے اور خود ہی فیصلہ فرمایئے کہ جس کثیر طبقے کو آپ اسلام پے عمل پیرا کہہ رہے ہیں کہ وہ لوگ

کیا اپنے ذاتی مفادات کو ملک وقوم اور دینی مفادات پر ترجیح نہیں دیتے؟

1۔اسباب زوال امت،13-14

کیا وہ بادشاہوں کے انتخاب میں ایمانی فکر کو مد نظر رکھتے ہیں؟

کیا وہ اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں بھر پور قوت کی فراہمی کرتے ہیں؟

کیا وہ کسی مظلوم کی مدد کے لئے کھڑے ہوتے ہیں؟

کیا ان میں اخوت اسلامی کا جذبہ موجود ہے؟

کیا وہ خدا سے بڑھ کر لوگوں سے نہیں ڈرتے؟

کیا ان کے معاملات کی بنیادیں قرآنی فکر کے مطابق ہیں؟

کیا وہ اللہ کے دین کو نافذ کرنے کے لئے بھی سر توڑ کوششیں کررہے ہیں؟

اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً ہے۔ (الا ماشاء اللہ)

تو کیا اتنے دین کو اپنا کر جو ہمارے مفادات کے خلاف نہ ہو جس سے ہماری معیشت پر کوئی برا اثر نہ پڑے۔ جس سے ہمارے تعلقات پر زد نہ آئے۔ جس سے ہمیں اللہ کے دشمنوں کی دشمنی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ایک کثیر طبقہ اسلام پر عمل پیرا ہے؟

اسلام چند ذوقی چیزوں کو اپنا لینے کا ہی نام نہیں ہے بلکہ اپنی پوری زندگی کو اللہ کی رضا کے مطابق گذارنے کا نام ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اہل اسلام کی ذلتوں اور پستیوں کا سبب مذہب سے دوری نہیں کیونکہ مذہب سے دور تو آج کی فاتح اور غالب اقوام بھی ہیں بلکہ مسلمانوں کی پستیوں کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے آفاقی سچائیوں کو چھوڑ دیا ہے مثلاً سچ، عدل وانصاف، جذبہ حب الوطنی، جدوجہد اور امانت ودیانت۔

یہ بات ایک لحاظ سے قابلِ غور ضرور ہے واقعی ان آفاقی سچائیوں سے منہ موڑنے کی وجہ سے ہی مسلمان زوال پذیر ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ یہ آفاقی سچائیاں ایمان کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہیں۔ یہ ایمان کے ہی ثمرات اور نتائج تو ہیں۔ دیکھئے ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جب یہ آفاقی سچائیاں مسلمانوں میں آئیں

تھیں جوان کے عروج اور ترقی کا باعث بنیں تھی تو اس کا سبب کیا تھا۔ اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ اس کا سبب بھی تو ایمان ہی تھا۔ ایمان نے ہی اس قوم کو یکسر تبدیل کر دیا تھا۔ تو بات تو وہی ہے صرف انداز مختلف ہیں۔

آفاقی سچائیاں تو ایمان کے ہی ثمرات ہیں آفاقی سچائیوں اور ایمان میں من وجہ کی نسبت ہے یعنی ہر مومن تو لازمی جہد مسلسل کرنے والا ہوگا لیکن ہر جہد مسلسل کرنے والے کا مومن ہونا ضروری نہیں۔ جیسے ہر استاد پڑھا لکھا ہوگا لیکن ہر پڑھے لکھے کا استاد ہونا ضروری نہیں۔ اسی سے ہمیں اس سوال کا جواب مل گیا کہ کافروں نے ان آفاقی سچائیوں کو کیسے اپنا لیا۔

تو اس کا جواب واضح ہو گیا کہ جن آفاقی سچائیوں کو ہم نے اہل ایمان کہلوانے کے باوجود چھوڑ دیا۔ کافر صرف جذبہ قومیت اور ملکی تعصب کی بنا پر اپنائے ہوئے ہیں۔ گویا جس کام کو مسلمان خدا کی رضا کے لئے بھی نہیں کرتے کافر انہیں صرف ملکی اور قومی جذبہ کے تحت اپنائے ہوئے ہیں۔

جب مومن ہم کہلواتے رہے اور ایمان کے کم از کم اتنے تقاضے جو اس دنیا میں عروج کے لئے کافی ہیں انہوں نے اپنا لیے۔ تو عروج بھی انہیں مل گیا اور ترقیاں بھی۔ بقول مفکر اسلام

عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور
مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور

(اقبال)

بہر کیف انداز بیاں کوئی بھی، الفاظ کا انتخاب کسی بھی زاویہ سے کیا جائے اور بات کسی بھی انداز میں کہی جائے مسلمانوں کی تمام تر پستیوں کا سبب اسلام سے دوری اور ایمان سے صرف لفظی اور رسمی تعلق ہے۔ جب اس قوم کو ایمان حقیقت میں اور شعوری طور پر مل جائے گا تو انہیں عزتیں بھی مل جائیں گی اور عروج بھی۔

سچے رب کا فرمان ہے

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ (آل عمران)

''اگر تو ایمان والے ہو گے تو تمہیں سر بلند رہو گے''۔

ایمان کیسے حاصل ہو

دوستو! اب فکر کرو ساحل کی
ہو چکا تذکرہ کشتی و طوفان کافی

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ یہاں عسر کے ساتھ یسر اور تنگی کے ساتھ آسانی ہوتی ہے۔ کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جدوجہد اور کوشش کی جاتی ہے۔ اس بھری کائنات میں کون سا کام ہے جو صرف باتیں کرنے اور امیدیں باندھنے سے ہو جاتا ہے۔ کیا تجارت بغیر جدوجہد کے کامیاب ہو جاتی ہے؟ کیا ڈگریاں گھر بیٹھے مل جاتیں ہیں؟ کیا سیاسی مقاصد کا حصول بغیر محنت کے ہو جاتا ہے۔

جب ایک دوکان کو کامیاب کرنے کے لئے سینکڑوں پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ تو ایمان جو سب سے بڑی دولت اور تمام عزتوں اور سربلندیوں کا سبب ہے۔ بغیر کسی جدوجہد، محنت اور قربانی کے کیسے مل سکتا ہے؟ جب ایم۔اے کی ڈگری لینے کے لئے سولہ سال کالجوں اور یونیورسٹیوں کی خاک چھاننی پڑتی ہے تو دارین کی سعادتوں کے ضامن ایمان کے متعلق ہم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ یہ بغیر محنت کے ہمیں مل جائے گا۔

سنو! رب کریم کیا فرماتا ہے

الٓمّٓ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۝ (العنکبوت)

''الم۔ کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ انہیں صرف اتنا کہنے پے چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم مومن ہیں اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی یقیناً ہم نے پہلوں کو بھی آزمایا۔ تو

یقیناً اللہ تعالیٰ (عملی طور پر) جان لے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے'۔

سوال یہ ہے کہ انسان کو ایمان کامل کیسے نصیب ہو سکتا ہے؟ اور وہ کون سا راستہ ہے جس سے گزر کر ایمان سے تعلق صرف رسمی نہیں حقیقی اور شعوری بن جاتا ہے۔

میرے نزدیک ایمان کو رسمی تعلق سے بدل کر حقیقت کی منزل تک پہنچانے کے لئے تین چیزیں بنیادی اور مرکزی حیثیت رکھتی ہیں

(1) احساس وشعور

سب سے پہلی چیز شعور اور احساس ہے کہ ہمیں احساس ہو کہ ہم منہ زبانی مسلمان ہیں۔ اگر کوئی مریض اپنے آپ کو مریض سمجھے گا ہی نہیں تو اس میں علاج کی فکر کیسے پیدا ہو گی۔ ہمیں خوش فہمیوں کے جہان سے نکل کر حقیقتوں کی دنیا میں آنا چاہیے۔ جب ہم اپنے آپ کو مجرم سمجھ لیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دامنِ طلب پھیلا دیں گے۔ اور اس کریم کی بارگاہ سے جو مانگا جائے وہ وہی دیتا ہے کیونکہ اس کے خزانوں میں بھی کوئی کمی نہیں اور وہ عطا و بخشش کی بھی انتہا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی بندہ ایمان کامل کا سوال ہی نہیں کرتا تو اس میں اس کی عطاؤں اور بخششوں کا بھلا کیا قصور ہے!

(2) قرآن مجید سے حقیقی تعلق

ایمان کا منبع اور مرکز قرآن حکیم ہے بندے پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید کو صرف برکت کے لئے ہی نہیں بلکہ اس زاویہ نگاہ سے پڑھے کہ میرا خدا مجھے کیا حکم دے رہا ہے، کس سے منع کر رہا ہے اور وہ مجھ سے کس چیز کا مطالبہ کر رہا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے عقدے اس کے بغیر کھل نہیں سکتے۔

تیرے ضمیر پے جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

(اقبال)

اور بندہ قرآن مجید کو اپنے وجود پے یوں طاری کرتا جائے کہ خود چلتا پھرتا قرآن بن

جائے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
(اقبال)

قرآن مجید کی صداقتوں پر آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی چیزوں سے بڑھ کر یقین کرے۔
جب تک قرآن مجید کے ساتھ اس نوعیت کا حقیقی تعلق مستحکم نہ ہو حقیقی ایمان نہیں ہو سکتا۔

(3) صحبت اہل ایمان

ایمان کامل کے حصول کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ ان حضرات کی جنہیں ایمان کامل نصیب ہو صحبت اور ہم نشینی کی جائے

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (کہف:28)

''اور اپنے آپ کو صبح و شام ان لوگوں کے ساتھ جمائے رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ وہ اسی کی رضا کے طالب ہیں''۔

یہ لوگ دراصل وارث نبوت ہوتے ہیں یہ حضور ﷺ کے قال کے بھی وارث ہوتے ہیں اور حال کے بھی۔ یہ زبان کے فیض کے علاوہ نظر کا فیض بھی بانٹتے ہیں
اسی لیے تو مرشد رومیؒ فرماتے ہیں

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اور یہی حقیقت اقبال کے الفاظ میں سنئے۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

اگر ان راستوں کا راہی نہ بنا جائے اور ان چیزوں کو نہ اپنایا جائے تو ایمان کامل

نصیب نہیں ہوسکتا۔نہ امت زوال کی پستیوں سے نکل سکتی ہے اور نہ اس کے دکھوں کا مداوا ہوسکتا ہے۔

حرف آخر

راقم الحروف کے نزدیک امت کے زوال کا سبب صرف اور صرف ایمان سے رسمی اور لفظی تعلق ہے۔باقی زوال کے جتنے بھی اسباب ہیں اسی کے مختلف زاویے اور روپ ہیں تاہم اسی نکتہ کی مزید وضاحت کے لئے یا ایمان سے دوری کے سبب امت میں بگاڑ کی جو جو صورتیں پیدا ہوئیں۔جو امت کے زوال کا سبب بنیں۔ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔تاکہ بات مزید واضح ہو جائے۔اور ہم ان خامیوں کو دور کرسکیں۔

اقول و باللہ التوفیق

فرقہ پرستی

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

(اقبال)

انگلستان کا بادشاہ رچرڈ ایک لشکر جرار لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابلہ میں آیا۔ رچرڈ کی فوج کی بہادری کے مختلف افسانے لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے دو خاص سپاہیوں کو جاسوسی کے لیے رچرڈ کی فوج میں بھیجا۔ وہ سپاہی بھیس بدل کر گئے۔ ایک دو دن وہاں ٹھہرے رہے پھر واپس پر انہوں نے سلطان صلاح الدین کو رپورٹ دی انہوں نے کہا کہ ہم نے اس فوج میں دو باتیں خاص طور پر دیکھی ہیں۔ ایک یہ کہ اس فوج کے سپاہی شراب و کباب میں مست ہیں اور رنگ رلیاں منا رہے ہیں اور دوسری یہ کہ جو پادری اس فوج کے ساتھ آئے ہوئے ہیں وہ مذہبی بحثوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ ہم نے انہیں اس چیز پے بحث کرتے ہوئے پایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیشاب پاک تھا یا ناپاک۔

سلطان نے یہ رپورٹ سن کر اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے اپنی فوج کے سامنے ایک تقریر کی اور اس نے کہا۔ اللہ کا نام لے کر حملہ کر دو۔ جس قوم کے امراء عیاش ہو جائیں اور علماء مذہبی بحثوں میں الجھ جائیں۔ قسم بخدا! اس قوم کو شکست کھانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ سلطان نے اس لشکر پے حملہ کیا اور رچرڈ کو عبرت ناک شکست دی۔

امراء کی عیاشی قوموں کو کس طرح تباہ کرتی ہے اس کا تذکرہ تو انشاء اللہ بعد میں کیا جائے گا۔ اس وقت صرف مذہبی بحثیں زیر بحث ہیں۔

جب بھی کوئی قوم باہمی بحث و مناظرہ میں الجھ جاتی ہے تو اس کی ساری صلاحیتیں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور اپنا علمی تفوق ثابت کرنے میں ہی صرف ہو جاتی ہیں۔ کسی دوسری قوم کو شکست دینا تو کجا۔ ان کے پاس دوسری قوم کے متعلق کچھ سوچنے کا بھی وقت نہیں ہوتا۔

ایمان نے جس وحدت و یگانگت، رواداری اور اختلاف رائے کو برداشت کرنے کا سبق دیا ہے اس کو فراموش کر کے ایسی بحثوں میں الجھا رہنا جو من حیث القوم ہمیں کمزور کر دیں اور وہ مخالف قومیں جو عالم اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے پوری تیاری اور جدید

ٹیکنالوجی کے ساتھ حملہ آور ہوئی ہیں اور جو ریچھ اور کتے کی طرح شروع سے لڑتے آئے ہیں آج عالم اسلام کو مٹانے میں متحد ہو گئے ہیں ان کی سازشوں سے غافل ہونا اور قوم کو غافل رکھنا کوئی نیکی نہیں بلکہ شیطان کی پیروی کرنا ہے۔ شیطان کی تو منصوبہ بندی یہی ہے کہ یہ قوم لفظی اور ذوقی بحثوں میں الجھی رہے اور اپنے اصل مشن سے غافل رہے تاکہ دوسری قوموں کو انہیں تباہ کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

شیطان کی منصوبہ بندی کیا ہے اس کی ترجمانی مفکرِ اسلام حضرت اقبال کی زبان سے سنیں

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسم شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
ابن مریم مر گیا یا زندہ و جاوید ہے
ہیں صفات ذاتِ حق، حق سے جدا یا عین ذات؟
آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزند مریم کے صفات؟
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟
کیا مسلمان کے لئے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات

(اقبال)

تاریخ پر ایک سرسری سی نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ باہمی اختلاف اور فرقہ پرستی کے جنون نے امتِ مسلمہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا اور پہنچا رہی ہے۔ ملت اسلامیہ میں اختلاف کی پہلی خلیج فرقہ پرستی کا ہی نتیجہ تھی۔ پھر اس کے بعد ہر دور میں متعدد فرقے پیدا ہوتے گئے امت مسلمہ کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی۔ اسی فرقہ پرستی کے سبب لاکھوں انسان مارے جا چکے ہیں۔ لیکن فتنہ پرور ذہن اپنی کارکردگی پر پھر بھی

مطمئن ہے۔

قافلے برباد ہو کر رہ گئے تو کیا ہوا
مطمئن ہے قافلہ سالار اپنے کام سے

معتزلہ، باطنیہ، قادیانیت اور ایسے ہی بیسوں فرقے ملت اسلامیہ کو اس طرح کھا گئے جیسے گھن لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ اس دور میں بھی فرقہ پرستی کا دیو ملت کو ہڑپ کرنے پے تلا ہوا ہے۔

مسلمانوں کی دینی کوششوں کا ایک بہت بڑا حصہ فرقہ پرستی کی نظر ہو رہا ہے۔ اسلام کا پرچار نہ ہونے کے برابر اور پورا زور مسلک کے پرچار پر صرف ہو رہا ہے۔

امت مسلمہ یہودیت، نصرانیت اور الحاد کے بچھائے ہوئے جالوں میں پھنستی جا رہی ہے۔ لیکن فرقہ پرستی کا جنون امت کے ایک بہت بڑے حصے کو مسلکی خول سے باہر آنے کی اجازت نہیں دے رہا۔

یہاں تک کہ جب امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان میں ظلم وستم کے نئے ریکارڈ قائم کیے تو اس وقت بھی مسلکی خول میں گھرے کچھ لوگ خوش ہو رہے تھے کہ چلو اچھا ہوا فلاں فرقہ ختم ہو گیا۔ وہ اس حقیقت کو بھول گئے تھے کہ دشمنی اسلام سے ہے کسی فرقے سے نہیں۔ ان کا دشمن مسلمان ہے وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو مجھے یوں لگتا تھا افغانستان چیخ رہا تھا میرے مسلمانوں بھائیو!

میں آج اگر زد پہ ہوں تو خوش گماں نہ ہو
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ فرقہ پرستی اور گروہ بندی نے قوموں کو تباہ کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ خلافت اسلامیہ کو پہلا دھچکا بھی اسی نے لگایا تھا اور اس کا خاتمہ بھی اسی کے ہاتھوں ہوا امت مسلمہ کا فرقہ پرستی کے تیروں سے چھلنی بدن چیخ رہا ہے۔

ع دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

سوال یہ ہے کہ

کہ فرقہ پرستی کے کیا اسباب ہیں؟

یہ کیسے پروان چڑھتی ہے؟

اور

اس کا تدارک کیسے ہو سکتا ہے؟

تا کہ امت مسلمہ اس سے بچے۔ اور پھر عروج کی منزلوں کی طرف گامزن ہو سکے۔

فرقہ پرستی کے اسباب

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اور حالات پر گہری نظر ڈالنے سے فرقہ پرستی کے بنیادی تین اسباب نظر آتے ہیں۔

1۔ جہالت 2۔ تعصب 3۔ مفادات

اس سب پر کچھ تفصیل سے بات کی جاتی ہے اقول وباللہ التوفیق۔

1۔ جہالت

جہالت کئی طریقوں سے فرقہ پرستی کو فروغ دیتی ہے۔ چند مرکزی طریقے یہ ہیں۔

1۔ نئے فرقوں کا جنم اور جہالت

اسلام نے تحصیل علم پہ بہت زور دیا ہے اور اتنا علم سیکھنا تو ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض قرار دیا ہے جس کی روز مرہ زندگی میں عموماً ضرورت پیش آتی ہے۔ کیونکہ علم نور ہے اور جہالت تاریکی۔ جب بندہ تاریکی میں چل رہا ہو تو وہ کہیں بھی بھٹک سکتا ہے اور کسی بھی کھائی میں گر سکتا ہے شاید اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت ہے جیسے مجھے تم میں سے ادنیٰ پر۔

اگر ایمان کے اس تقاضے پہ عمل کرتے ہوئے امت تحصیلِ علم کی راہوں پہ گامزن رہتی۔ اور ہر آدمی کم از کم دین کی بنیادی معلومات رکھتا۔ تو بے شمار فرقے ایسے ہیں جو یا تو

جنم ہی نہ لیتے یا بہت جلد اپنی موت آپ مرجاتے۔

فرقہ پرستی کے عروج اور بقا کا ایک بڑا سبب شعبدہ بازی کو معجزہ سمجھ لینا ہے۔ آپ ہی فرمایئے کہ اگر انسان ختم نبوت کے متعلق بنیاد معلومات بھی رکھتا ہو تو وہ کسی خرق عادت چیز یا شعبدہ بازی کو معجزہ کیسے سمجھ سکتا ہے۔ کتنی سچ بات فرمائی تھی شیخ سعدی نے کہ

ع بے علم نتواں خدا را شناخت

جن بھی لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ امت میں فرقہ بندی کا بیج بویا۔ بے تحاشا لوگوں کو گمراہ کیا۔ کشت و خون کے معرکے بپا ہوئے اور لاکھوں لوگ موت کے گھاٹ اترے۔

سوال یہ ہے کہ

کیا انہوں نے کوئی ضابطہ حیات پیش کیا تھا؟ کیا انہوں نے انسانیت کو کوئی معاشی، معاشرتی، سیاسی یا اخلاقی نظام دیا تھا؟ جو لوگ ان کی طرف کشاں کشاں بڑھتے گئے۔ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ انہوں نے چند شعبدے دکھائے تھے۔ چند خرقِ عادت چیزیں دکھائیں تھیں پس علم نہ ہونے کے سبب لوگ اسی کو کرامت اور معجزہ سمجھنے لگے اور ان کے گرویدہ ہو گئے۔ یہ لوگ حسن بن صباح ہو یا بابک یا مرزا قادیانی، انتہائی شاطر اور عیار تھے۔ لیکن سیدھے سادھے لوگ ان کی عیاری کو پیغمبرانہ حکمت سمجھ بیٹھے اور امت تقسیم در تقسیم ہوتی گئی۔ علم کا نور اٹھ جائے تو ہر ڈگڈگی بجانے والے کو چند پاگل ضرور مل جاتے ہیں۔ علم ہو تو فضاؤں میں اڑنے والے کو بھی قرآن و سنت کی کسوٹی پے پرکھا جاتا ہے۔

تاریخ کی ورق گردانی کیجئے۔ جب بھی کسی نئے فرقے نے جنم لیا۔ تو صرف جہالت نے ہی اسے پھیلنے کا موقع دیا۔ جہالت کے سبب ہی لوگ شعبدہ بازیوں کو معجزہ سمجھتے رہے اور ان کے جالوں میں پھنستے رہے وہ مقنع کا چاند ہو یا ابن صباح کی جنت۔

اگر خوف طوالت دامنگیر نہ ہوتا تو تاریخ سے متعدد مثالیں پیش کر کے واضح کیا جاتا کہ جہالت کس طرح فرقہ بندی کے فروغ کا ذریعہ بنتی ہے۔ تاہم تاریخ کے ذخیرہ سے چند مثالیں پیش کر کے اس بات کو مزید واضح کیا جاتا ہے۔ حارث کذاب دمشقی کے تذکرہ میں

ابوالقاسم رفیق دلاوری لکھتے ہیں۔

''اس سے بھی ماوراء عقل افعال صادر تھے چنانچہ مسجد میں ایک پتھر پر انگلی مارتا تو وہ تسبیح پڑھنے لگتا۔ موسم گرما میں لوگوں کو سرما کے فواکہ اور پھل کھلاتا۔ جاڑوں میں تابستان کے میوے پیش کرتا اور کہا کرتا کہ آؤ میں تمہیں موضع دیر مراں (مضافات دمشق) سے فرشتے نکلتے دکھاؤں۔ چنانچہ حاضرین محسوس کرتے کہ نہایت حسین وجمیل فرشتے گھوڑوں پر سوار جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب مرزا غلام احمد جیسے شخص کو پیروؤں کی ایک بڑی جماعت مل گئی جس کی ذات میں نہ کوئی علمی اور عملی خوبی ودیعت تھی اور نہ کوئی دوسرا امتیازی وصف ہی پایا جاتا تھا تو پھر عوام کالانعام حارث جیسے شخص کی عقیدت اور پیروی سے کیونکر تخلف کر سکتے تھے۔ جس کے خوارق وکرامات کی جلوہ نمائیاں عوام کو خیرہ چشم کر رہی تھیں۔ ہزارہا سر گشتگان بادیہ ضلالت آئے اور اس کے آستانہ زہد کی جبہہ سائی کرنے لگے۔(1)

ابوالطیب متنبی کا ایک پیرو عبداللہ لاذقی کہتا ہے

''......... میں نے کہا کہ ان عبارتوں میں یہ بھی ہے کہ آسمان تمہارا مطیع ہے۔ اس اطاعت کی کیا حقیقت ہے۔ کہنے لگا ''میں فاسقوں اور سرکشوں کا رزق بند کر کے نزول باراں کو روک دیتا ہوں'' میں نے کہا کیا واقعی تم امساک باراں پے قادر ہو؟ کہنے لگا ہاں'' فاطر السمٰوٰت کی قسم! میں بارش روک سکتا ہوں'' میں نے کہا اچھا مجھے کسی دن یہ کرشمہ دکھاؤ۔ اگر تم یہ دکھا سکے تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا'' چند روز کے بعد مجھ سے کہنے لگا کیا واقعی تمہاری خواہش ہے کہ تمہیں وہ معجزہ دکھاؤں۔ جس کا چند روز پیشتر ذکر آیا تھا؟ میں نے اثبات میں اس کا جواب دیا۔ بولا ''اچھا میں اس غلام کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔ تم فوراً سوار ہو کر میرے پاس پہنچ جانا۔ لیکن تنہا آنا۔ چند روز کے بعد مطلع ابر آلود ہوا۔ سرما کا موسم تھا۔ اس کا غلام میرے پاس آیا۔ کہنے لگا میرا آقا کہتا ہے۔ کہ آپ حسب قرارداد جلد سوار ہو کر آجائیے میں فوراً سوار ہو کر اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ میں نے غلام سے پوچھا کہ تمہارا آقا

1۔ ائمہ تلبیس، صفحہ 176

کہاں ہے؟ بولا صحرا کی طرف گیا ہے۔ اس کے بعد غلام کہنے لگا کہ جلدی کرو تا کہ ہم وہاں پہنچ کر بارش سے محفوظ ہو جائیں۔ وہ اس وقت ٹیلے پر ہمارے انتظار میں کھڑا ہے اور بارش سے بالکل محفوظ ہے۔ میں نے پوچھا کہ تمہارا آقا نے بارش سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی عمل کیا ہے؟ بولا۔ ہاں۔ جب سیاہ بادل چاروں طرف محیط ہوئے تو وہ ہاتھ میں ایک کوڑا لے کر کچھ پڑھتا ہوا گھر سے نکلا۔ اور شہر سے نصف فرسنگ دور جا کر فلاں ٹیلے پر جدھر ہم جارہے ہیں چڑھا۔ پیچھے پیچھے میں بھی چلا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا ہر طرف موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ لیکن اس جگہ برسات کا کوئی اثر نہیں"۔

ابو عبداللہ لاذقی کا بیان ہے کہ ہم دونوں اس کی طرف گئے۔ اس وقت بارش بڑے زوروں پر تھی۔ پانی میرے گھوڑے کے گھٹنوں تک چڑھ آیا تھا۔ لیکن وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ٹیلے کے چاروں طرف سو سو گز تک بارش کا ایک قطرہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر سلام کیا اور کہا ہاتھ بڑھایئے۔ آپ واقعی رسول اللہ ہیں۔ ابوالطیب نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے اقرار نبوت کی بیعت کی۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ شام کا ہر شہر ابوالطیب کی نبوت کا قائل ہو کر حلقہ ارادت میں داخل ہو چکا ہے۔(1)

یہ کوئی ماضی کے قصے ہی نہیں اس وقت بھی جب شعور مکمل طور پر بیدار ہو چکا ہے اور زمانہ عقلی طور پر بہت ترقی کر چکا ہے۔ ایسے ہی شعبدہ بازوں کو بے تماشا کامیابیاں مل رہی ہیں۔

اس وقت میں مرزا قادیانی کے فتنہ نے ملت اسلامیہ کو بہت نقصان پہنچایا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس نے دنیا کو کوئی نیا دستورِ حیات دے دیا تھا؟ کیا کوئی معاشی، معاشرتی، سیاسی یا اخلاقی نظام دے دیا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔ صرف اس نے چند جھوٹی سچی پیش گوئیاں کیں تھیں اور جہالت کے سبب لوگ قطعیات کو چھوڑ کر اس کی خرافات کے دلدادہ ہو گئے۔

یہاں تو اگر کوئی ہندو اور عیسائی بھی کسی خرقِ عادت امر کا اظہار کر دے تو اس پر بھی

1۔ مقدمہ دیوان متنبی بحوالہ نفس مصدر، صفحہ 354

عقیدتیں نچھاور کر دی جاتی ہیں۔

اس صداقت کا انکار نہ ممکن ہے کہ اگر امت مسلمہ علم سے اتنی دور نہ ہوتی تو یا تو کسی فتنہ پرور کو فتنہ پروری کا حوصلہ ہی نہ ہوتا۔ یا امت اسے آہنی ہاتھوں سے کچل دیتی۔ لیکن جہالت کے سبب ہی ہر ڈگڈگی بجانے والے کو چند پاگل مل جاتے ہیں اور امت تقسیم در تقسیم ہو کر کمزور سے کمزور رہوتی جاتی ہے۔

فرع کو اصل اور اصل کو فرع کا درجہ دینا

اگر کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دیا جائے۔ تو باوجود خلوص، محنت اور جدوجہد کے مثبت اور دوررس نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ اصل سے غفلت اور فرع میں ساری محنتوں کو کھپا دینا دین کا تقاضا ہے اور نہ دانشمندی کا۔ دین اصل ہے اور مسلک فرع ہے۔ اگر کوئی بندہ اصل دین سے تو غافل ہو جائے لیکن اپنی پوری زندگی فروعات میں ہی بسر کر دے تو اس نے فرع کو اصل کا مقام دے دیا اور اصل کو فرع کا۔

دین اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان تعلق قائم کرنے کا نام ہے۔ یہ تعلق کس شکل سے ہو یہ ایک ثانوی اور فروعی چیز ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ جیسے نماز اصل ہے۔ نماز میں ہاتھ چھوڑنے یا باندھنے یہ فرع ہے۔ حضور ﷺ کی رسالت اصل ہے اور شب معراج رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ فرع ہے۔

اگر لوگ اصل نماز سے ہی غافل ہوں اور کوئی صاحب رفع یدین پر ہی اپنی زندگی کھپا دیں۔ یا لوگ تو حضور ﷺ کی رسالت کے ہی منکر رہیں تو کوئی صاحب اس سے صرف نظر کر کے اپنی ساری کوششیں مسئلہ رویت باری تعالیٰ پر ہی صرف کر دیں تو اس کی یہ فکر نہ اسلام کی نظر میں محمود ہے اور نہ عقل و دانش کی نگاہ میں۔

قوم کے ہاتھوں سے جاتا ہے متاع کردار
بحث میں آتا ہے جب فلسفہ ذات و صفات

(اقبال)

اگر علم نہ ہو یا علم کسی مخصوص خول سے باہر نہ آئے تو ممکن ہے پوری زندگی کی تگ و دو اصل سے بہت دور رہے اور فرع میں ہی صرف ہو جائے۔

آج جن مسائل پر عموماً زندگیاں کھپا دی جاتی ہیں وہ اصل نہیں فرع ہوتے ہیں۔ قطعی نہیں ظنی ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل مامون کے دربار میں خلق قرآن پر مناظرہ کر رہے تھے۔ فتنہ خلق قرآن نے امت کو جو نقصان پہنچایا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ امام صاحبؒ ان کے سوالوں کے جوابات دے رہے تھے۔ ایک ان پڑھ سا دیہاتی آدمی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا اگر اجازت ہو تو میں بھی کچھ عرض کروں۔ مامون نے اجازت دی وہ کہنے لگا اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا حکم فرمایا ہے؟ اسے جواب دیا گیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی واضح حکم نہیں ہے کہنے لگا اچھا رسول کریم ﷺ کا اس کے متعلق کیا فرمان ہے۔ اسے جواب دیا گیا کہ اس بارے میں سرکار کا کوئی واضح حکم نہیں ہے۔ کہنے لگا اچھا صحابہ کرام کا کیا موقف تھا۔ اسے بتایا گیا کہ دور صحابہ میں یہ مسئلہ نہیں اٹھایا تھا اس لیے گروہ صحابہؓ سے بھی اس کے متعلق کوئی وضاحت منقول نہیں ہے۔

کہنے لگا میرے بھائیو! اگر یہ مسئلہ اتنا ہی اہم ہوتا کہ اس پر ہی نجات موقوف ہوتی یا یہ کفر و اسلام کا مسئلہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام لازمی طور پر اس کی وضاحت فرما دیتے۔ اس لیے اس مسئلہ کو مت چھیڑو جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نہیں چھیڑا۔

یقین فرمائیے ہمارے اختلافی مسائل جنہیں کفر و ایمان کی کسوٹی بنا لیا گیا ہے۔ جن پر بڑے بڑے معرکے بپا ہوتے ہیں۔ اس نوعیت کے مسائل ہیں جنہیں نہ خدا نے چھیڑا اور نہ اس کے رسول ﷺ نے بالفاظ دیگر وہ قرآن و سنت کے اختلافات نہیں بلکہ مابعد کے اور ذوقی اختلافات ہیں۔

اسلام ایک دین کامل ہے۔ یہ دنیا کو جہالت کے شکنجوں سے نکال کر صرف رب کے

آگے جھکانے کے لئے آیا ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کا ایک معاشرتی، معاشی، سیاسی، اخلاقی اور مذہبی نظام ہے۔ اگر ہماری زندگیاں مسلک کے دائرہ میں ہی کھپ جائیں اور ہم اسلام کو بحیثیت دین متعارف کروانے میں کوئی کردار ادا نہ کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے فرع کو اصل بنادیا اور اصل کو فرع۔ ہمارا حال اسی انسان کی طرح ہوگا جس کے آس پاس لوگ تو نماز ہی نہیں پڑھتے تھے اور وہ انہیں رفع یدین کی بحثوں میں الجھائے رکھتا تھا۔

ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم نے اسلام کو بحیثیت دین متعارف کروانے کے لئے کیا کیا؟ یہود کی سازشوں اور نصاریٰ کے منصوبوں سے امت مسلمہ کو محفوظ کرنے کے لئے کتنی کوششیں کیں؟ اللہ کا دین کافروں تک پہنچانے کے لئے کیا کردار ادا کیا؟

اگر علم آئے گا تو اصل کو اصل کے درجہ پے رکھا جائے گا اور فرع کو فرع کے مقام پر۔ لیکن علم کی کمی کے سبب فرع کو اصل قرار دے کر ساری کاوشیں اسی پر صرف ہوگئیں اصل کام رہ جائے گا امت کی ساری توانائیاں ایسی ہی ختم ہو جائیں اور امت کمزور سے کمزور تر ہوتی جائے گی۔

ایک اور پہلو سے بھی غور فرمایئے کہ شریعت کے سارے اوامر و نواہی یکساں حیثیت کے نہیں ہوتے اوامر میں کوئی چیز فرض ہوتی ہے کوئی واجب یا مستحب ہوتی ہے نواہی میں کچھ حرام ہوتا ہے اور کوئی چیز مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ہوتا ہے۔ ہر ایک کا حکم بھی یکساں نہیں ہوتا۔

آج کے ہمارے اختلافات کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہم نے عملی طور پر احکامات کے حکم بدل دیئے۔ کہیں مستحب کے ساتھ فرض والا معاملہ کیا جارہا ہے اور کہیں مکروہ کے ساتھ حرام والا۔

مثلاً اذان کے ساتھ درود و سلام پڑھنا۔ قائلین کے نزدیک مستحب ہے اور منکرین کے نزدیک مکروہ۔ سوال یہ ہے کہ کیا مستحب کے ترک پر یا مکروہ کے ارتکاب پر کسی کو ملامت

کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے؟

اگر نہیں دی اور یقیناً نہیں دی تو ہم مستحب کو فرض اور مکروہ کو حرام کے برابر قرار دے کر اس پے جنگ وجدل کے میدان کیوں گرما رہے ہیں۔

ہماری اسی روش کا نتیجہ ہے کہ اگر کوئی بندہ نماز نہ پڑھے یا سود کھائے تو اسے کوئی نہیں ٹوکتا لیکن جب وہ اذان سے پہلے درود نہ پڑھے تو بعض لوگ اس سے جنگ وجدل پے اتر آتے ہیں اور بعض لوگ اذان کے ساتھ درود و اسلام پڑھنے والوں پر گمراہی اور کفر کے فتوے لگا دیتے ہیں۔

یعنی جس پے ٹوکنا چاہیے تھا اس پے نہیں ٹوکتے اور جس پے نہ ٹوکنا چاہیے تھا اس پے ٹوکتے ہیں۔ کہیں محفل میلاد کے انعقاد پے کفر کے فتوے لگتے ہیں اور کہیں عدم انعقاد پے۔ لیکن مستشرقین اور یہود و نصاریٰ کے اس زہر کی طرف توجہ نہیں جا رہی جو وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اگل رہے ہیں۔

اس چیز کا ایک نفسیاتی اور تحقیقاتی پس منظر ہے جیسے محبت کا مادہ انسان کی سرشت میں داخل ہے اور اس کا اصل محل ذاتِ باری تعالیٰ ہے لیکن جب انسان مخصوص عوامل کے تحت ذاتِ باری تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا تو پھر وہ لازمی طور پر کسی اور چیز سے ضرور محبت کرے گا کیونکہ محبت تو اس کی فطرت کی پکار ہے وہ کسی انسان سے محبت کرے یا کسی دیوی یا کسی بت سے پھر وہ ان چیزوں سے ویسے ہی محبت کرتا ہے جیسے کہ اسے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنی چاہیے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ (البقرہ:165)

"اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے"۔

ایسے ہی دین کی محبت انسان کی سرشت میں داخل ہے جب وہ حقیقی دین کو چھوڑ دیتا

ہے تو پھر وہ ایک اپنا دین بنالیتا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی محبت کرتا ہے جیسی حقیقی دین سے کرنی چاہیے۔

جو لوگ کسی مستحب کے انعقاد پے یا کسی مکروہ سے بچنے کے لئے ایسے بے تحاشا دولت لٹاتے ہیں یا قربانیاں دیتے ہیں جیسی راہِ جہاد میں لٹانی چاہیے یا دین کو اس کے منکروں سے بچانے کے لئے دینی چاہیے قصور دین کے ایسے رہبروں کا بھی ہے جنہوں نے لوگوں کو حقیقی دین سے تو متعارف نہ کروایا البتہ اپنے مخصوص ذوق کو ہی دین بنا کے پیش کر دیا۔

کیسے منزل پے پہنچتا کوئی راہ میں راہنما بیٹھے ہیں

جب علم کا نور نصیب ہوگا اصل اور فرع کو فرع سمجھا جائے گا فرض کے ساتھ فرض والا معاملہ کیا جائے گا اور مستحب کے ساتھ مستحب والا۔ جب ہر چیز کو اس کے مقام پے رکھا جائے گا تو یقین فرمایئے بہت سے جھگڑے اپنے آپ ختم ہو جائیں گے اور بہت سی اختلافات خود بخود مٹ جائیں گے۔ بشرطیکہ علم آ جائے اور جہالت مٹ جائے۔

(2) تعصب

فرقہ پرستی کا ایک سبب تعصب اور انا پرستی ہے۔ جب بھی حق کا معیار دلیل نہیں بلکہ اپنی ذات اور انا کو بنالیا جائے تو حق کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ امت کی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور اختلاف و انتشار کی آگ قوموں اور معاشروں کو بھسم کر کے دکھ دیتی ہے۔ اگر یہ مرض انفرادی اور ذاتی طور پر پایا جائے تو ممکن ہے اس کے اثرات پوری قوم یا معاشرہ پر نہ پڑیں۔ لیکن جب کوئی قوم یا گروہ من حیث القوم تعصب اور انا پرستی کو اپنا وطیرہ بنا لے تو اسے تباہ و برباد ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا کیونکہ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

(اقبال)

اس مرض نے آج ہی نہیں۔ ہمیشہ ہی قوموں کی تباہی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ جو

قوم اپنی ملت کے اتحاد کو بچانے کے لئے انا اور ذات کو قربان کردے، سرخرو ہو جاتی ہے اور جس قوم کو اپنی انا اور ذات ملک وملت اور حق سے بڑھ کر محبوب ہو جائے اسے تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

قرآن کریم میں یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلاف اور ان کی ذلتوں کا مرکزی سبب ان کی انا پرستی اور قرار دیا گیا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (البقرہ:213)

''یہ اختلافات انہیں لوگوں نے کیے جنہیں حق دیا گیا تھا۔ اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح ہدایات آچکی تھیں۔ آپس کی ضد کی وجہ سے''۔

ایک اور ارشاد ہوتا ہے۔

وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْأَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (جاثیہ:17)

''اور ہم نے انہیں دین کے معاملہ میں واضح دلائل دیئے پس انہوں نے آپس میں جھگڑنا شروع نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ انہیں (حقائق کا) صحیح علم آگیا۔ محض باہمی حسد و عناد کے باعث''۔

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

''بنی اسرائیل متعدد فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اور ان کا یہ اختلاف شدید نوعیت کا تھا۔ اس انتشار نے ان کی دینی اور اخلاقی زندگی کو گوناں گوں خرابیوں کی آماجگاہ بنا دیا تھا۔ فرقہ بندی کے باعث ان کی ظاہری قوت بھی پاش پاش ہو گئی تھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے اس اختلاف اور انتشار کی وجہ ان کی بے علمی اور جہالت نہ تھی۔ سب کچھ جانتے تھے محض باہمی حسد اور کینہ کے باعث وہ الگ الگ ٹکریوں میں بٹ گئے تھے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں ایڑی چوٹی کا زور

صرف کر رہے تھے"۔(1)

یہ صرف یہود و نصاری کے ساتھ ہی خاص نہیں آج ملت اسلامیہ کے مختلف گروہوں اور فرقوں کے درمیان بھی اختلاف کا ایک بہت بڑا سبب تعصب اور ہٹ دھرمی ہے فرقہ پرستی کی ماضی پہ نظر ڈالیں اور حال کے کوائف کا جائزہ لیں تو صاف نظر آتا ہے کہ انا پرستی اور تعصب نے فرقہ پرستی کے فروغ میں ایک بہت بڑا کردار ادا کیا ہے تعصب کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(1)ذاتی تعصب (2)جماعتی تعصب

اسے انفرادی اور اجتماعی تعصب سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ان کی کچھ وضاحت ملاحظہ ہو۔

(1)ذاتی یا انفرادی تعصب

تاریخ کے صفحات اس پہ شاہد ہیں کہ کسی فرد کے ذاتی تعصب کی بنا پر اختلاف کی خلیج ایسی وسیع ہوئی کہ اس نے امت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ایک مثال ملاحظہ ہو۔

ابو علی جبائی کا نظریہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ بندوں کی بہتری کے کام کرے اور اس کا یہ بھی نظریہ تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور بچے اعراف میں رہیں گے۔جبکہ امام ابو الحسن اشعری کا نظریہ تھا کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی چیز واجب نہیں ہے وہ ہمیں جو بھی دیتا ہے محض اپنے کرم سے دیتا ہے ایک دن امام ابوالحسن اشعری نے ابو علی جبائی سے پوچھا کہ تین بھائی ہیں دو بڑے ہیں ایک بچہ ہے۔بڑوں میں سے ایک نیک ہے اور ایک بد بتایئے نیک کہاں جائے گا؟اس نے کہا جنت میں آپ نے فرمایا بد کہاں جائے گا اس نے کہا دوزخ میں آپ نے فرمایا بچہ کہاں جائے گا اس نے کہا اعراف میں۔آپ نے فرمایا اگر بچہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کہے کہ یا اللہ تو نے مجھے بڑا کیوں نہ کیا تا کہ میں بھی نیک عمل کرتا اور جنت میں چلا جاتا تو بتایئے اللہ تعالیٰ اسے کیا جواب دے گا اس نے کہا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ مجھے علم تھا کہ تو بڑا ہو کر برے کام کرے گا

1۔تفسیر ضیاء القرآن،جلد 4،صفحہ 455

اور دوزخ میں جائے گا اس لیے میں نے تیری بہتری کے لئے تجھے بچپن میں مار دیا تا کہ تو دوزخ سے بچ جائے اور اعراف میں چلا جائے۔

آپ نے فرمایا اچھا جو بڑا دوزخ میں گیا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کہے کہ یا اللہ جب تو جانتا تھا کہ میں بڑا ہو کر برے کام کروں گا اور دوزخ کا مستحق بنوں گا تو تو نے مجھے بچپن میں ہی کیوں نہ مار دیا تا کہ کم از کم میں اعراف میں تو چلا جاتا تو بتایئے اللہ تعالیٰ اسے کیا جواب دے گا؟

ابو علی جبائی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا اب چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنے نظریہ سے رجوع کر لیتا۔ لیکن وہ لا جواب ہو کر الگ جا کے بیٹھ گیا۔ اور معتزلہ فرقے کی نشر و اشاعت میں اس نے جو کردار ادا کیا وہ کسی سے مخفی نہیں اور نہ جانے کتنے لوگ اس کے سبب گمراہ ہوئے

قرآن کریم نے ایک ایسے ہی انا پرست اور متعصب شخص کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا

وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَ لَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ (بقرہ)

"اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو غرور اسے گناہ پر جما دیتا ہے۔ پس ایسے شخص کے لئے جہنم کافی ہے۔ اور وہ بہت بڑا ٹھکانہ ہے"۔

زندگی میں بہت سے مواقع ایسے آتے ہیں کہ جب بندے پر اپنی غلطی واضح ہو جاتی ہے تو وہ محض اپنی انا اور تعصب کے سبب حق کو جھٹلا دیتا ہے جب بھی اپنی ذات کو حق پر غالب کیا جانے لگے۔ تو جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور ملت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے اور گروہوں میں بٹ جاتی ہے۔

(2) جماعتی یا اجتماعی تعصب

اگر یہ تعصب جماعتی حیثیت اختیار کر جائے تو مزید خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر چیز کو ایمان پر قربان کر دیا جائے جیسے بندے کو دولت بڑی

پیاری ہوتی ہے لیکن جب اسے بھوک لگے تو کھانا کھاتا ہے بیمار ہو تو دوائی لیتا ہے جیسے دولت اسے پیاری ہے لیکن جان پر دولت کو قربان کر دیتا ہے یعنی جان دولت سے زیادہ پیاری ہے اور اگر کبھی ایسا موقع آجائے کہ یا عزت بچالو یا جان تو پھر بندہ عزت کو بچاتا ہے اور جان کو قربان کر دیتا ہے یعنی جان پیاری ہے لیکن عزت جان سے بھی بڑھ کر پیاری ہے ایسے ہی جب کبھی ایسا موقع آجائے کہ یا عزت بچالو یا ایمان اور حق تو حق کو بچانے کے لئے اپنی عزت اور انا کو قربان کر دینا قرب الٰہی کے راستوں کو کشادہ کر دیتا ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

(اقبال)

لیکن عملی طور پر ذاتی یا جماعتی تعصب میں آکر حق کو چھوڑ دیا جاتا ہے کہ فلاں بندے کی بات اگرچہ درست ہے لیکن میں نہیں مانوں گا کیونکہ وہ میری مخالف جماعت کا ہے اور فلاں کی بات اگرچہ غلط ہے لیکن میں اسے ضرور مانوں گا کیونکہ وہ میری جماعت کا ہے۔
مسیلمہ کذاب کے پیروکار سمجھتے تھے کہ مسیلمہ جھوٹا ہے لیکن پھر بھی اس کے نبی ہونے کا اقرار کرتے تھے ان سے پوچھا جاتا کہ جب یہ جھوٹا ہے تم اس بات کا اقرار بھی کرتے ہو تو پھر اسے نبی کیوں مانتے ہو تو وہ کہتے تھے جھوٹا ہی سہی ہے تو ہمارے قبیلے کا۔ وہ کہتے تھے بنو ربیعہ کا جھوٹا بنو مضر کے سچے سے زیادہ بہتر ہے۔ یہود نے صرف اس لیے حضور ﷺ کی رسالت کو جھٹلا دیا کہ آپ بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ بنی اسماعیل سے آئے تھے۔
اگر ذاتی یا جماعتی تعصب نہ پایا جائے تو بہت سے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں جماعتی تعصب کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی جماعت اپنے مقتدا یا رہبر کو عملی طور پر مقام نبوت پے فائز کر دیتی ہے۔ یعنی جیسے نبی ہر حال میں واجب الاطاعت ہوتا اور نبی کے کسی بھی حکم یا بات میں کسی بھی قسم کی غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ اگر بادی النظر میں نبی کی کسی بات میں کوئی شبہ بھی لاحق ہوتا ہو تو اس کی تاویل کی جاتی ہے کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے اگر اس کی کسی

بات میں بھی غلطی ثابت ہو جائے تو پوری شریعت مشکوک ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی جماعت اپنے مقتدا یا رہبر کی ہر بات کو ایسی ہی حیثیت دینے لگیں تو یہ شرک فی النبوۃ ہوگا جماعتی تعصب میں اس ''شرک فی النبوۃ'' کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

ایسی بھی مثالیں موجود ہیں کہ کسی جماعت کے مقتدا نے اپنی کسی عبادت کو غلط تسلیم کر کے اس سے رجوع کر لیا لیکن اس کے پیروکار آج تک اس بات کو درست ثابت کرنے پے تلے ہوئے ہیں۔ اس شرک فی النبوۃ نے مقتدا کا ایک الگ فرقہ بنا دیا ہے۔

کسی غلط بات پے محض اس لیے ڈٹ جانے والے کہ وہ بات ان کے مقتدا نے کہی ہے اور اسے تصوف قرار دینے والے سید الطائفہ حضرت جنیدؒ بغدادی کے اس فرمان پر غور فرمائیں۔

ایں راہ کسے یابد کہ کتاب بردست راست گرفتہ باشد وسنت مصطفےٰ ﷺ بردست چپ ودر روشنائی ایں دو شمع مے رود۔ تانہ در مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت (1)

''یہ راستہ صرف وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سنت رسول ہو۔ اور وہ ان دو چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ شبہات کے گڑھوں میں نہ گرے اور نہ ہی بدعت کی تاریکیوں میں پھنسے۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کا یہ فرمان بھی ملاحظہ ہو

''(مشرب پیر)...... حجت نمی شود دلیل از کتاب وسنت می باید'' پیر کا مشرب حجت نہیں دلیل کتاب وسنت سے ہونی چاہیئے''۔(2)

اگر حق کو اپنی ذات اور جماعت پر مقدم کر دیا جائے اور جماعتی پیشواؤں کو ''مقام نبوت'' پے فائز نہ کیا جائے تو وحدت امت کا کھویا ہوا سرمایہ واپس مل سکتا ہے۔

(3) مفادات

فرقہ پرستی کے فروغ کا تیسرا محرک مادی مفادات ہیں۔ اگر کوئی جاہل فرد دنیا پرست

1۔ تذکرۃ الاولیاء، صفحہ 8   2۔ اخبار الاخیار، صفحہ 81 بحوالہ روح تصوف، صفحہ 7

اور جاہ پرست بن جائے تو اس کے اثرات تو شاید اس کی اپنی ذات یا چند افراد تک ہی محدود رہیں لیکن جب ایک عالم فاضل اور پڑھا لکھا شخص دنیا پرستی اور حب جاہ کی راہوں پے چل نکلتا ہے تو وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے۔

عام لوگ دین سے ناواقف ہونے کے باوجود دین کے متعلق انتہائی جذباتی اور حساس ہوتے ہیں وہ دین کے نام پے کٹ مرتے ہیں۔

لیکن ہمیشہ سے یہ ہوتا آرہا ہے کہ کچھ لوگ اپنے مفادات کو حاصل کرنے کے لئے دین کا لبادہ اوڑھ کے آئے کچھ دنیا پرست دین کے روپ میں آئے انہوں نے دین کو بگڑی ہوئی شکل میں پیش کیا۔ لیکن انتہائی ذہانت اور مؤثر طریقے سے۔ لوگ اپنی سادگی کے سبب ان کی چالبازیوں سے آگاہ نہ ہو سکے اور دین کی محبت میں ان کے پیچھے چل پڑے۔ اور اپنی کم علمی کے سبب انہیں کی بات کو حرف آخر سمجھنے لگے۔ پیروکاروں کی جہالت عقیدت اور رہبروں کی مفاد پرستی، عیاری اور فن کاری کے سبب فرقے وجود میں آتے گئے۔

بادشاہی کے خواب دیکھنے والا مسیلمہ کذاب ہو، شاہی سایہ میں پروان چڑھنے والے معتزلی علماء ہوں یا انگریز کے دسترخوان پے پلنے والے قادیانی ہوں ہر جگہ مفادات ہی فتنہ پرستی کا محرک بنتے نظر آرہے ہیں۔

اس دور میں بھی مفادات کی آڑ میں کہیں ناصبیت کو فروغ دیا گیا اور کہیں امت مسلمہ کو گمراہ مشرک ثابت کرنے کے لئے کروڑوں روپے صرف کیے جا رہے ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ ملت تو تقسیم در تقسیم ہوتی گئی لیکن اس نبی کریم ﷺ کی نیابت کا دعوی کرنے والے وصال کے وقت بھی جن کی زرع ایک یہودی کے پاس رہن تھی، کروڑ پتی اور ارب پتی بنتے گئے۔ وہ صفر سے اربوں پے پہنچ گئے لیکن امت تقسیم در تقسیم کے زخم سہتی رہی۔ اور کمزور سے کمزور ہوتی گئی۔

قافلے برباد ہو کر رہ گئے تو کیا ہوا
مطمئن ہے قافلہ سالار اپنے کام سے

اپنے مفادات کی خاطر امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے اور امت کو کافر و مشرک ثابت کر کے اپنے مفادات حاصل کرنے والے یاد رکھیں کہ وہ خدا کے بھی مجرم ہیں اور قوم کے بھی۔ وہ کوئی دین کی خدمت نہیں کر رہے صرف اپنا پیٹ پال رہے۔ وہ دین کے نام پے دنیاداری اور تجارت کر رہے ہیں۔

امت کو مار ڈالا کافر بنا بنا کے

اسلام ہے فقیہو! ممنوں بہت تمہارا

وہ لوگ اگر کبھی اپنی جملہ کاوشوں کے اصلی محرک پر تنہائی میں بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ؏

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اگر دو مسالک کے علماء کسی اتفاقی مسئلہ پر اس لیے بھی اکٹھے نہ ہوں کہ ان کے مقتدی ناراض نہ ہو جائیں اور ان کی ''خدمت'' میں فرق نہ آ جائے تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ یہ وہی بات تو نہیں جس کے سبب علماء یہود اسلام قبول کرنے کی نعمت سے محروم رہے تھے۔ مومن کی شان یہ نہیں ہوتی کہ وہ اپنے مفادات کے لئے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرتا رہے بلکہ بندہ مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اپنے مولا کی رضا کے لئے مفادات تو کجا اپنی جان بھی بیچ دیتا ہے۔ ایسے ہی بندہ مومن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۝۲۰۷ (بقرہ)

''اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی رضا کی تلاش میں اپنی جان بیچ دیتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے''۔

اگر ہر انسان تنہائی میں بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے غور کرے کہ میں کہیں مفادات کے شکنجے میں جکڑا ہوا تو نہیں ہوں۔ اگر خدا پرستی پر مفاد پرستی کو قربان کرنے کا راستہ اپنا لیا جائے تو بہت سی اختلافی مسائل پے اتحاد و یگانگت ممکن ہے۔

فرقہ پرستی کا تدارک کیسے ہو؟

رشتہ دیوار و در تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
مت جلا اس کو یہ گھر تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
کھا گئی کل ناگہاں جن کو سیاست کی صلیب
ان میں اک نور نظر تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
کیوں لڑیں آپس میں ہم ایک ایک سنگ میل پر
اس میں نقصان سفر تیرا بھی ہے میرا بھی ہے

(قتیل شفائی)

اگرچہ گذشتہ صفحات میں فرقہ پرستی کے اسباب کی وضاحت میں ان اسباب کے تدارک کی طرف بھی اشارات کیے جاچکے ہیں تاہم اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے انہیں الگ کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔ فرقہ پرستی کو ختم کرنے اور اتحاد و یگانگت کی فضاء قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ

(1)

علم کو فروغ دیا جائے تاکہ مکروہ کو حرام کا درجہ نہ دیا جائے اور مستحب کو فرض سے بڑھ کر حیثیت نہ دی جائے۔ ہر حکم کو اس کے مقام پہ رکھا جائے اور علم سے ہی وسعت نظری پیدا ہوگی اور رواداری کا جذبہ پیدا ہوگا۔

(2)

کوئی بھی مسلک اپنے مقتدا کو معصوم نہ سمجھے اور عصمت کو صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہی خاص رکھا جائے۔ اگر اہل شعیہ اپنے اماموں کو معصوم مانتے ہیں تو یہ ان کا اپنا نقطہ نظر ہے۔ تاہم ائمہ کرام کے علاوہ دوسرے رہبروں اور مقتداؤں کو وہ بھی ائمہ کی طرح معصوم نہ سمجھیں۔ اسی سے مسلکی تعصب سے اوپر اٹھ اسلامی اخوت و رواداری کو فروغ دینے کی فضا ہموار ہوگی۔

(3)

افراد کی تربیت اس نہج پر کی جائے کہ وہ مفادات کو حق پر قربان کرنے کا حوصلہ پیدا کریں۔ تعصب اور مفادات سے بچنا اور حق کے آگے جھکنا۔ یہ تزکیہ نفس کے سبب ہی ممکن ہے اور تزکیہ نفس کے حصول کی عملی شکل ہی تصوف کہلاتی ہے۔ تعلیمات تصوف سے روشنائی اور ان کا فروغ بہت ضروری ہے۔ تعلیمی مدارس اور مراکز میں تصوف کو بطور لازمی مضمون شامل کیا جائے۔

(4)

اختلاف کی نوعیت کو سمجھا جائے۔ جب اصول میں اتحاد ہو تو ان پر اتفاق کیا جائے اور جزئیات کو باعث نزاع نہ بنایا جائے کیونکہ عالم کفر یہ نہیں سوچتا کہ یہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتا ہے یا ہاتھ باندھ کر، کھڑا ہو کے درود پڑھتا ہے یا بیٹھ کے اور میلاد مناتا ہے یا نہیں۔ وہ صرف یہ سوچتا ہے کہ یہ کلمہ گو ہے یا نہیں۔ مسلکی اختلافات کو ان کے مقام پے رکھ کے اصولیات پر بھرپور توجہ دی جائے اور اسے بنائے اتحاد بنایا جائے۔ اور دعوت وارشاد کا رخ زیادہ سے زیادہ اصولیات کی طرف پھیرا جائے۔

(5)

امت مسلمہ کے اتحاد کی بنا کوئی علاقہ، زبان یا رنگ و نسل کو نہیں بنانا چاہیے بلکہ اتحاد اسلام کی بنیادوں پر ہونا چاہیے۔

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہگذر

(اقبال)

اگر ہم ان باتوں کو اپنا لیں تو امید ہے فرقہ پرستی کے عفریت سے چھٹکارا مل سکتا ہے
میں اس بحث کو اپنے اکابرین میں سے دو بزرگوں کے اتحاد کے فارمولوں پر ختم کرتا ہو۔ تاکہ بات ہر پہلو سے مکمل ہو جائے اور کوئی گوشہ تشنہ تکمیل نہ رہے۔ ان دونوں بزرگوں

سے میری مراد ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرمؒ شاہ الازھری اور مجاہد ملت مولانا عبد الستارؒ خان نیازی ہیں۔

ان کے اتحاد کے فارمولے ملاحظہ ہو

اتحاد امت کے لئے ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ کا پانچ نکاتی فارمولا:

(1)

اتحاد کے داعی کو اپنی دعوت کی سچائی اور افادیت پر اتنا پختہ ہونا چاہیے کہ اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات سے کسی طرح ہراساں نہ ہو۔

(2)

زیادتی کرنے والے فریق کو روکا جائے۔ جس کی حق تلفی ہو اس کی حق رسی کی جائے۔ خواہ اس کا تعلق کسی جماعت یا مکتب فکر سے ہو۔ یعنی حقوق و فرائض کا پلڑا متوازن رہنا چاہیے۔

(3)

ہر ایک فریق کو اتنا وسیع الظرف ہونا چاہیے کہ وہ دوسرے فریق کی بات سنے اس میں دیانت داری سے غور و فکر کرے اور جس چیز کو حق جانے اسے اپنا لے۔

(4)

عظمت رسالت اور تقدس نبوت ہی دین کی بنیاد ہے۔ اگر کسی بھی مکتب فکر کے لٹریچر میں کوئی ایسی عبارت ہو۔ جس سے دین کی اس بنیاد پر اشارۃً یا صراحۃً حرف آتا ہو۔ اسے حذف کر دینا چاہیے۔ کیونکہ کوئی بھی غیرت مند مسلمان ایسی صورت حال سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔

(5)

ایک دوسرے پر الزام تراشی کے وقت ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور فرزندانِ اسلام پر شرک و کفر کے فتوے لگانے سے بھی باز نہیں

آتے، اس سلسلہ میں ایسے ٹھوس اقدامات کرنے چاہیں کہ اس قسم کی غیر محتاط زبانیں بند ہو جائیں۔(1)

استحاد امت کے لئے مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کا چار نکاتی فارمولا:

مولانا عبدالستار خان نیازی نے استحاد امت کے لئے جو چار نکاتی فارمولا پیش کیا اس کی تلخیص درج ذیل ہے۔

(1)

پاکستان کی تمام جماعتیں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ، اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے افکار ونظریات پر اصولاً متفق ہیں۔لہذا ہم اپنے تمام متنازعہ فیہ امور ان کے عقائد ونظریات کی روشنی میں حل کریں..........

(2)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی صابریؒ کی عظمت اور مرتبے کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں تمام اکابر علماء دیوبند بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت حاجی صاحب کے حلقہ ارادت میں شامل ہیں۔ برصغیر عالم اسلام میں جس قدر اختلافی مسائل پائے جاتے ہیں۔سب کا جامع و مانع حل انہوں نے پیش کر دیا ہے اگر تمام مکاتب فکر کے علماء اور متعین حاجی صاحب کی تصنیف "فیصلہ ہفت مسئلہ" کو حکم مان لیں۔تو فرقہ وارانہ اختلافات چشم زدن میں ختم ہو سکتے ہیں۔

(3)

علماء دیوبند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری، مولانا حافظ محمد مہتمم دارالعلوم دیوبند ابن مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا عزیز الرحمٰن مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اور مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کی مصدقہ کتاب "المہند علی المفند" مصنفہ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کی جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کی تصنیفات "حسام الحرمین" اور "الدولۃ المکیۃ" کے جواب میں شائع ہوئی۔جس میں انہوں

1۔مقالات ضیاء الامت، جلد 1، صفحہ 53

نے اپنے عقائد ونظریات کی وضاحت کی ہے۔ایک نہایت ہی مفید کتاب ہے اس پس منظر میں علماء دیو بند ''المہند'' میں درج شدہ فیصلوں کو اختلافی مسائل میں نافذ العمل کر لیں۔ تو تمام متنازعہ فیہ عقائد ونظریات کا نہایت ہی معقول و مدلل جواب مل سکتا ہے۔ اپنے اس عقائد کو حکم ماننے کے بعد دوسرا اقدام یہ کریں۔ کہ پبلک پلیٹ فارم سے اپنے مخالفین کے خلاف و تشنیع سے مل اجتناب کریں۔

(4)

انگریزی محاورہ (Live and Let-Live) زندہ رہو اور زندہ رہے دو۔ اگر کوئی مسلمان سید الانبیاء ﷺ پہ کھڑے ہو کے صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو اسے پڑھنے دیں اور جو خاموشی سے بیٹھ کر درود شریف پڑھے تو اسے مجبور نہ کیا جائے کہ وہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے ضرور پڑھے۔ تمام مسلمان نماز میں ''السلام علیك ایها النبی'' پڑھ کر حضور ﷺ پر سلام بھیجتے ہیں۔ تو نماز کے بعد بھی کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔

مسجدوں، خانقاہوں اور اوقاف کے جھگڑے بھی اسی جذبہ سے طے ہو سکتے ہیں۔ کہ مسجدوں میں کسی کو نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے۔ جن لوگوں نے مسجد تعمیر کی ہو۔ انہیں کے مسلک کی انتظامیہ ہو۔ اگر اس طرح سب فرقے مل کر مرکزی نکتہ عظمت و وقار کو سامنے رکھیں تو پھر اختلاف باقی نہیں رہتا۔(1)

اگر ہر فرد کو احساس ہو جائے کہ گروہ بندی اور فرقہ پرستی نے امت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے اور وہ اتحاد کے لئے ان تجاویز پر عمل پیرا ہو تو قوی امکان ہے کہ امت میں وحدت پیدا ہو گی۔ اور امت مستحکم ہو کر پھر عروج اور ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جائے گی۔

واللہ الموافق

1۔نوائے وقت لاہور، 2 دسمبر 1982ء بحوالہ امت مسلمہ، صفحہ 162، 166

داعیانِ حق کا یکجہتی منہجِ تبلیغ

گر صاحب ہنگامہ نہ ہو منبرو محراب
دیں بندہ مومن کے لئے موت ہے یا خواب
بیدار ہوں دل جس کی فغان سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب

(اقبال)

اگر امت مسلمہ کے زوال کا سبب دین سے صرف لفظی اور رسمی تعلق ہے جو دین کے لیے زندہ جذبوں اور جانثاری کے فقدان پر منتج ہوتا ہے۔ اور یقیناً ایسا ہی ہے۔ تو دین سے اس رسمی تعلق کا بھی تو کوئی سبب ہوگا اور وہ ہے۔

داعیانِ حق کا یکجہتی منہج تبلیغ

چند استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر دین کی دعوت جس رنگ میں دی جاتی ہے ایک خالی الذہن فرد اس سے یہی سمجھتا ہے کہ دین بس چند مخصوص اعمال کے بجالانے، عقیدتوں سے لبریز چند تہوار منعقد کرتے اور چند مسائل میں لڑنے جھگڑنے کا نام ہے۔

جب ایک پڑھا لکھا نوجوان عصر رواں کے مطابق دین کی تعلیمات پانے سے محروم رہتا ہے۔ جب اسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ اسلام کا معاشرتی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی نظام کیا ہے؟ جب وہ سائنس کے اٹھائے ہوئے سوالات کے تشفی بخش جواب نہیں پاتا۔ جب اس کے دل میں خلش کو الحاد اور لادینی کہہ کہ جھڑک دیا جاتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یا تو وہ اسلام سے ہی باغی ہو جاتا ہے۔ یا وہ ماضی کی عقیدتوں کا قلادہ تو گلے سے نہیں اتارتا۔ لیکن اسلام کے لیے کسی قسم کا جذبہ وہ اپنے سینے میں نہیں پاتا۔ وہ برائے نام مسلمان تو رہ جاتا ہے لیکن اسلام کو بطور دین غالب کرنے کے جذبوں سے یکسر محروم!

حضرت علیؓ کا فرمان ہے

"اپنے بیٹے کو اپنے والی تعلیم نہ دے کیونکہ وہ تیرے دور کے لئے پیدا نہیں ہوا"۔

دنیاوی تعلیم کے میدان میں تو ہم اس نکتہ کو سمجھ چکے ہیں لیکن دینی تعلیم کے پس منظر میں ہم اس حقیقت کو تاحال فراموش کیے ہوئے ہیں۔

دنیا کے حالات پر نظر ڈالیے۔ زمانے کے تغیرات کا بغور جائزہ لیجیے اور خود ہی فیصلہ فرمایئے کہ قوم کو گمراہی کے کتنے جدید طریقوں کا سامنا ہے سائنس اعتراضات، عقلی شبہات اور جدید اسلحہ سے لیس شیطانی فکر۔

اس تناظر میں کیا ہمیں اپنے انداز دعوت کو جدید اسالیب سے مزین نہیں کرنا چاہیے۔ کسی کو گمراہ، ملحد اور دین کا باغی کہنے سے کیا وہ مطمئن ہو جائے گا؟ کیا اس کے دل کی خلش نکل جائے گی؟ یقین فرمایئے ہماری قوم دین کی باغی نہیں ہے۔ یہ دین کے لئے انتہائی مفید اور کٹ مرنے والی قوم ہے یہ دین سے بیزار نہیں یہ مظلوم قوم ہے انہیں مختلف طریقوں سے دین سے دور کیا گیا اور دور کیا جا رہا ہے۔ یہ تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کے مرض کو سمجھیں اور اس کا مداوا کرنے کی فکر کریں۔

نہ اِدھر اُدھر کی بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے غرض نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

دینی مدارس اسلام کا قلعہ ہیں۔ آج عالمی سازشوں اور حکومت کی تمام تر منفی پالیسیوں کے باوجود یہ مدارس ہی دین کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں لیکن ہمیں سوچنا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ جب ایک طالب علم نصاب تعلیم کو مکمل کر کے نکلتا ہے تو عموماً وہ اپنی فقہ بلکہ اپنے مسلک کا عالم تو ضرور ہوتا ہے۔ لیکن اسلام کو بحیثیت ضابطہ حیات اور بحیثیت دین سمجھنے کے لئے اس کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں اور وہ یہ جانتا بھی نہیں کہ اس وقت عالمی تناظر میں اسلام کو کن خطرات کا سامنا ہے اور ہمیں ان سے نمٹنے کے لئے کیا کرنا ہے؟

یہ حقیقت سر آنکھوں پر کہ ایک فرد یا ادارہ ہر کام نہیں کر سکتا۔ میں قطعاً یہ نہیں کہنا چاہتا کہ مدارس کو بھی ایک سائنس کالج بن جانا چاہیے کیونکہ ان کا شعبہ مختلف ہے وہ اتنے وسائل بھی نہیں پاتے اور ویسے بھی ایک فرد سارے علوم تو نہیں پڑھ سکتا۔ لیکن اسلام کو بحیثیت نظام سمجھنا تو کیا دینی علم کا ہی حصہ نہیں ہے۔ جو مدارس اسلامیہ کی بنائے تشکیل ہے۔ کیا ہمارے سارے نصاب تعلیم میں اسلام کو بطور ضابطہ حیات اور بحیثیت دین سمجھنے کے لئے کوئی کوشش موجود ہے؟ کیا ہمارے نصاب تعلیم کا کوئی حصہ اسلام اور عصر حاضر کے چیلنجز اور ان کے حل کے لئے مخصوص ہے؟

جب طلباء کو تعلیم اس نہج پر دی نہیں جائے گی۔ تو پھر جب کوئی انہیں کہے گا کہ اسلام اس

دور میں نہیں چل سکتا یہ اس دور میں قابل عمل نہیں رہا۔ تو آج کی ترقیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ تو اس کے جواب میں وہ اس پر کفر والحاد کا فتوی تو لگا سکتے ہیں لیکن اسے مطمئن کرنا بھلا ان کے لئے کیسے ممکن ہوگا؟

کیا ہم اقبال کے اس شعر کا مصداق تو نہیں بنتے جا رہے ۔

شکایت ہے مجھے یا رب خداوندان مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

میرا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ ہر عالمِ دین کو ایم۔اے۔سی یا ایل۔ایل۔ایم کی طرز کی کسی ڈگری کا حامل ہونا چاہیے میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جدید دور میں پیدا ہونے والے مسائل اور ان کے حل کو بطور مضمون پڑھنا چاہیے جبھی تو اسلام سے ایسی وابستگی برقرار رہے گی جو اسلام کو بطور دین اور ضابطہ حیات نافذ کرنے کے جذبوں کا محرک بنے گی۔ کیا ہر گلی اور ہر محلے میں لوگوں کو جدید مسائل درپیش نہیں ہیں؟ کیا لوگ ان کے تشفی بخش جواب سننے کے خواہاں نہیں ہیں؟

یقین فرمایئے اگر منہج تبلیغ ایسا ہی یکجہتی اور اسی ڈگر پے رہا تو خطرہ ہے کہ قوم ایسی ہی مسلمان نہ رہ جائے جیسے روسی تھے جو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن ہم خدا کو نہیں مانتے!

زمانہ ہم سے کیا توقع کرتا ہے۔ وہ ہم سے کس چیز کا خواہاں ہے۔ اس کے لئے میں عالمگیر کی وہ طویل تقریر درج کرتا ہوں جو عالمگیر نے اپنے ایک استاد گرامی کے سامنے اس وقت کی تھی جب وہ کسی منصب کے حصول کے لئے اس کے پاس آئے تھے۔ یہ صدیوں پرانی گفتگو ہے لیکن آج کے حالات پر بھی ایسے ہی منطبق ہے جیسے آج کی ہی ہو۔ اور اگر اس کی سند کی حیثیت کچھ کمزور بھی ہو تب بھی اس میں جو حقائق اور اعتراضات ہیں وہ اس قدر وزنی ہیں کہ انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اسے فرضیہ سمجھ کے بھی پڑھ لیا جائے۔ تب بھی ہمارے لیے اس میں بہت سا سامان عبرت موجود ہے۔

جب عالمگیر کے استاد کسی اعلیٰ منصب کی طلب میں ان کے پاس آئے اور درباری علماء

سے میل ملاپ کر کے کسی اعلیٰ عہدہ کے طلبگار ہوئے تو ایک دن عالمگیر نے انہیں تخلیہ میں بلایا اور ان کے سامنے یہ طویل تقریر کی۔

''مولانا! آپ کی کیا خواہش ہے؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو دربار کے اوّل درجہ کے امرا میں داخل کر دوں؟ میں جانتا ہوں کہ آپ کا مجھ پر حق ہوتا۔ اگر آپ مجھے کوئی کام کی تعلیم دیتے۔ لیکن آپ نے مجھے کیا پڑھایا؟ آپ نے مجھے بتایا کہ فرنگستان ایک معمولی سا جزیرہ ہے جہاں سب سے بڑا بادشاہ پہلے پرتگال کا حاکم تھا۔ پھر ہالینڈ کا بادشاہ ہوا۔ اور اب شاہِ انگلستان ہے۔ فرانس اور اندلس کے حکمرانوں کے متعلق آپ نے مجھے بتایا کہ وہ ہمارے معمولی راجاؤں کی طرح ہیں اور شاہنشاہاں ہندوستان ان سب حکمرانوں سے بڑے ہیں۔ انھی میں ہمایوں اکبر، جہانگیر اور شاہجہان ہوتے ہیں جو شاہان عظیم، فاتحان جہاں اور بادشاہان عالم ہیں۔ آپ نے مجھے بتایا کہ ایران کاشغر، تاتار، پیگو، سیام اور چین کے حاکم شاہِ ہند کا نام سن کر کانپتے ہیں۔ سبحان اللہ! آپ کے علمِ جغرافیہ اور تاریخ دانی کا کیا کہنا! کیا آپ کا فرض نہ تھا کہ آپ مجھے دنیا کی تمام قوموں کی خصوصیات سے آگاہ کر کے یہ بتاتے کہ ان ملکوں کی پیداوار اور ان کی جنگی طاقت کا کیا حال ہے۔ یہ لوگ لڑتے کس ڈھب سے ہیں۔ ان کے رسم ورواج اور مذاہب وحکومت کے طریقے کیسے ہیں؟ ان کی پولیٹکل پالیساں کیا ہیں؟ آپ کا فرض تھا کہ مجھے تاریخ کی باقاعدہ تعلیم دے کر حکومتوں کے آغاز اور ان کی ترقی وتنزل کے اسباب بتاتے۔ ان واقعات، حادثات اور غلطیوں سے آگاہ کرتے جن کی وجہ سے بڑے بڑے انقلابات ظہور میں آتے ہیں۔ خیر دنیا کی تاریخ سے پوری اور گہری واقفیت دلانا تو درکنار آپ نے مجھے میرے آباؤ اجداد کے نام بھی پوری طرح نہیں بتائے۔

آپ نے یہ خیال نہ کیا کہ ایک شہزادے کی تعلیم کے لئے کون سے مضامین درکار ہیں۔ یہی سمجھا کہ بس مجھے صرف ونحو کی بڑی مہارت چاہیے اور مجھے وہ علم حاصل کرنا چاہیے جس کی ضرورت ایک قاضی یا فقیہ کو ہوتی ہے۔ اس طرح آپ نے میری جوانی کا قیمتی زمانہ

لفظوں کے سیکھنے کی خشک، بے فائدہ اور لا متناہی کوششوں میں صرف کر دیا۔

آپ نے میرے والد ماجد سے کہا کہ ہم نے اسے فلسفہ پڑھایا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آپ نے کئی برس تک میرے دماغ کو ان فضول اور احمقانہ مسائل سے پریشان کیا۔ جن کا زندگی کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں۔ بے شک آپ نے میری زندگی کے بہترین سال اپنے دل پسند لیکن خیالی مسائل کی بحث میں صرف کر دیئے۔ جب میری تعلیم ختم ہوئی کہ مجھے علم وفن سے سوائے اس کے کوئی واقفیت نہ تھی کہ میں چند ایسی دقیق اور مشکل اصطلاحیں استعمال کر سکتا تھا۔ جن سے روشن دماغ والے انسان گھبرا جاتے ہیں۔ اور جن سے فلسفے کے دعویدار اپنی جہالت اور ناواقفیت پر پردے ڈالتے ہیں۔

اگر آپ مجھے وہ علم سکھاتے جو عقل اور سمجھ کے اصولوں پر دماغ کی تربیت کرتا ہے اور اسے صحیح اور وزنی دلائل کا طلبگار بناتا ہے یا مجھے وہ باتیں بتاتے جن سے حوادثِ زمانہ کے مقابلہ میں انسان اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ نہ مصائب اسے پریشان کرتے ہیں اور نہ خوشی اور کامیابی سے اس کا دماغ بگڑتا ہے یا اگر آپ مجھے انسانی فطرت کے رموز سے واقف کر دیتے یا مجھے دینا کا، اس کے مختلف حصوں کا اور اس کے نظام کا پورا پورا حال بتا دیتے۔ تو مجھ پر آپ کے احسانات سکندر اعظم پر ارسطو کے احسانات سے بڑھ کر ہوتے اور میں پوری طرح آپ کی قدر افزائی کرتا۔(1)

بجا ہے کہ یہ ایک شہزادے کا تقاضائے تعلیم ہے لیکن اس میں بہت سا سامان تفکر ہمارے لیے بھی موجود ہے۔

کیا ہم بھی تو صرف لفظی بحثوں میں تو نہیں الجھے ہوئے؟

کیا ہم اپنے طلبا کو جو کل قوم کی قیادت سنبھالیں گے عالمی حالات سے مطلع کر رہے ہیں؟ کیا ہم نے بھی اپنے طلبا کو وہ من پسند اور خیالی مسائل ہی تو نہیں بتا رہے جن کا مسائل زندگی کے حل سے کوئی تعلق نہیں؟

---

(1) رود کوثر، صفحہ 465-464

کیا ہم اپنے طلباء کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ قومیں کیسے عروج پاتی ہیں اور کیسے زوال؟ کیا ہم بھی انہیں چند دقیق اور مشکل اصطلاحوں کا ہی درس تو نہیں دے رہے؟ یقین فرمائیں۔ آپ کا ہر سامع اور ہر طالب علم قوم کا معیار ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

(اقبال)

اگر ہماری تعلیم اور دعوت میں تعمیر کی یہ فکر بیدار ہو جائے تو اسلام سے تعلق کی بنیادیں قوی اور مستحکم ہوں گی۔ اور یہی چیز اسلام کو غالب کرنے کا جذبہ پیدا کرے گا۔ زوال کی شب تاریک ختم ہو جائے گی اور عروج کا سپیدہ سحر طلوع ہوگا۔ انشاءاللہ۔

انشاءاللہ۔ انشاءاللہ۔

غداری

جعفر از بنگال، صادق از دکن
ننگ ملت، ننگ دیں، ننگ وطن

(اقبال)

یہاں غداری سے میری مراد مسلمان ہو کر مادی مفاد کے لئے یا اپنے مسلمان حریف کو شکست دینے کے لئے کافروں سے مدد لینا ہے۔ اگر ایمان کا مستحکم تعلق نصیب ہو تو غداری کا تصور بھی محال اور ناممکن ہے۔ ایمان اور غداری دو متضاد چیزیں ہیں۔ ان میں بعد المشرقین ہے۔ اس پس منظر میں ایمان کیا چاہتا ہے۔ تاریخ اسلامی کا ایک ورق ملاحظہ ہو۔

خلیفہ چہارم حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان اختلافات بہت زیادہ بڑھ چکے تھے۔ قسطنطنیہ کی عیسائی حکومت اس وقت مسلم سلطنت پر حملہ کرنے کو بڑا موزوں وقت خیال کرتی ہے۔ قیصر روم ایک بڑی فوج جمع کرتا ہے۔ اور ایران کے شمالی صوبوں پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں شروع کر دیتا ہے۔ یہ علاقہ حضرت علیؓ کی حکومت میں شامل ہے۔ ان حالات میں جبکہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے اگر قیصر روم حملہ کر دیتا تو امکان تھا کہ حضرت علیؓ کے لئے بہت سی مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ اور شاید اسلامی خلافت کا ایک حصہ کٹ کے عیسائی سلطنت میں چلا جاتا۔

قیصر کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ آپس میں حریف ہیں۔ وہ حضرت علیؓ کو کمزور ہوتا دیکھ کر ضرور خوش ہوں گے اور مزاحمت نہ کریں گے۔ اس طرح حضرت علیؓ سے اسلامی خلافت کا حصہ چھین لینا آسان ہو جائے گا۔

مگر حضرت امیر معاویہؓ بھی صحابیت کے اعلیٰ شرف سے مشرف تھے۔ نگاہ نبوت نے ان کے دل کا بھی تزکیہ کیا تھا۔ وہ حضرت علیؓ سے تمام تر اختلافات کے باوجود ان کے معاند نہیں تھے۔ ایمان کی کشش انہیں کبھی بھی اس چیز کی اجازت نہ دیتی تھی کہ وہ باہمی اختلافات کے سبب اسلامی دنیا میں رومیوں کے داخلے کا سبب بنیں۔ انہوں نے جب ان حالات کا جائزہ لیا تو قیصر روم کو ایک خط لکھا۔ اس خط کے ایک ایک لفظ سے اسلامی غیرت ابل رہی ہے آپ نے اسے لکھا۔

"اے رومی کتے!

اگر تو ہمارے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر اسلامی خلافت پے حملہ کرنا چاہتا ہے تو

تجھے معلوم ہونا چاہیے۔ کہ علیؓ کی قیادت میں جو لشکر تیرے مقابلہ میں نکلے گا۔ معاویہؓ اس لشکر کا ایک ادنی سپاہی ہوگا''۔

یہ خط پڑھ کر قیصر کی امیدوں پہ پانی پھر گیا۔ اور اسے حملہ کرنے کا حوصلہ نہ پڑا۔

اپنے سیاسی حریف کو شکست دینے کے لئے کسی کافر کی مدد لینا تو در کنار وہ تو اپنے مسلمان حریف پر کسی کافر کو حملہ آور بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔ جب تک مسلمان ایمانی حلاوتوں سے کچھ بھی لذت آشنا رہے تو غداری کا تصور بھی کسی نے نہ کیا۔

خلافت راشدہ اور بنو امیہ کے زمانہ میں مسلمانوں کے ذہنوں میں غداری کا تصور بھی نہیں تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں خانہ جنگیاں ہوئیں۔ لیکن کسی فریق نے اپنے حریف کو نیچا دکھانے کی خاطر کسی غیر مسلم فرماں روا سے مدد لینے کا سوچا تک نہیں۔ یہاں تک کہ خارجیوں نے اموی حکمرانوں سے سو سال تک خونریز جنگیں لڑیں۔ مگر انہوں نے بھی کسی غیر مسلم حکمران سے کوئی ساز باز نہیں کی۔ اسی طرح جب محمد بن قاسم اور راجہ داہر کے درمیان راوڑ کا فیصلہ کن معرکہ ہونے والا تھا۔ تو راجہ داہر نے محمد حارث علافی کو اپنی فوج کے ایک حصہ کی کمان دینی چاہی۔ مگر اس مسلمان امیر نے اپنے ہم مذہبوں کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا اور راجہ داہر سے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ بے شک میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ مگر اس کے عوض میں اپنے ہم مذہبوں کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھا سکتا۔ ورنہ میرا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اس پر راجہ داہر نے اسے ملک بدر کر دیا۔

امام حسینؓ یزید اوّل کے مقابلہ میں آئے۔ حضرت زیدؓ نے ہشام بن عبدالملک سے مقابلہ کیا اور ذکیہ منصور سے نبرد آزما رہے لیکن کسی نے کسی غیر مسلم سے مدد لینے کا سوچا تک بھی نہیں۔

ڈھونڈنے سے شاید کوئی ایک آدھ مثال مل بھی جائے تاہم تیرھویں صدی کے آغاز تک مسلمانانِ عالم تک یہی وطیرہ رہا کہ وہ اپنے مسلمان حریف کو شکست دینے یا کسی بھی قسم کے مادی مفاد کے لئے کسی کافر سے مدد لینے کا تصور بھی نہیں کرتے تھے۔

لیکن تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں شیعہ وزیر ابن علقمی نے غداری کر کے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ جس سے اسلامی لشکر کو شکست ہوئی اور خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہوا اور پندرھویں صدی عیسوی میں بوبٹل عیسائی حکمرانوں کے ہاتھوں سپین میں کٹھ پتلی بن کر سقوطِ غرناطہ کا باعث بنا۔ صلیبی جنگوں کے پس منظر میں بھی یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ مصر کے علویوں نے سلجوقیوں کی بڑھتی ہوئی شان وشوکت سے خوفزدہ ہو کر اہل فرنگ کو شام پر قبضہ کر لینے کی دعوت دی تا کہ مصر محفوظ رہے۔ غداری کی یہ صفت سلطنت مغلیہ میں اپنے عروج کو پہنچی۔ اس سلطنت کے تنزل کے زمانہ میں ہندوستانیوں میں حب الوطنی، ایثار اور مذہب وملت کی خاطر قربانی کرنے کے جذبات مفقود ہو گئے۔ اس پس منظر میں انگریزوں نے غداری کی صفت شنیعہ کو خوب فروغ دیا۔ چنانچہ انہوں نے میر جعفر، میر صادق اور تیجا سنگھ جیسے لوگوں سے سازشیں کر کے دیسی حکمرانوں کو تباہ کر کے اپنی منشا کے مطابق ملک میں سیاسی تبدیلیاں کیں۔ اس طرح وہ بلاشرکت غیرے ہندوستان کے مالک بن گئے۔

ہمیشہ سے حق اور باطل کی روش یکساں رہی ہے اور غداروں کا طریقہ کار بھی اپنے مقاصد کے لحاظ سے ایک ہی ہوتا ہے۔ میر جعفر کے متعلق دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے۔

"میر جعفر اب انگریزوں سے جوڑ توڑ کرنے لگا جو سراج الدولہ سے دوبار ہزیمت (قاسم بازار۔ جون 1756ء کلکتہ فروری 1757ء) اٹھانے کے بعد بااثر ہندو سیٹھوں اور اہلکاروں اور غدار مسلمان امراء کو ساتھ ملا کر ایسے شخص کو نواب بنانا چاہتے تھے جو ان کے اشاروں پر چل سکے۔ 4 جون 1757ء کو میر جعفر نے ایک خفیہ معاہدے پر دستخط کر دیئے جس کی رو سے طے پایا کہ انگریزی افواج کی مدد سے سراج الدولہ کو معزول کر کے میر جعفر کو مسند پر بٹھایا جائے جس کے معاوضے میں میر جعفر ان کے تمام فوجی اخراجات برداشت کرنے کے علاوہ دو کروڑ روپے بطور ہرجانہ کلکتے کے سوداگروں کو ادا کرے گا اور ایسٹ

انڈیا کمپنی کو متعدد تجارتی مراعات دے گا۔ سراج الدولہ کو اس معاہدے کا علم ہوا تو اس نے میر جعفر کو معزول کر دیا۔ لیکن کچھ عرصے بعد جب جگت سیٹھ جیسے غداروں نے اسے مشورہ دیا کہ میر جعفر کی مدد کے بغیر انگریزوں سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں تو اسے دوبارہ بحال کر دیا گیا اور میر جعفر اور ان کے رفقاء نے بھی قرآن مجید اٹھا کر قسم کھائی کہ وہ انگریزوں کا مقابلہ دل و جان سے کریں گے۔ 22 جون 1787ء کو پلاسی کے میدان میں کلائیو (clive) کے زیر قیادت انگریزی فوجیں صف آرا ہو گئیں۔ 22 جون کو مقابلہ ہوا۔ عین ممکن تھا کہ سراج الدولہ معرکہ جیت جاتا۔ لیکن میر جعفر اور اس کے ساتھیوں کی غداری کے باعث میدان انگریزوں کے ہاتھ رہا۔ سراج الدولہ جعفر کے داماد قاسم کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مرشد آباد لایا گیا جہاں میر جعفر کے بیٹے میرن کے حکم سے اسے موت کے ہاتھ اتار دیا گیا۔ اور میر جعفر کو نواب بنا دیا گیا 29 جون 1787ء"۔(1)

عالمی پس منظر میں نظر دوڑائیے کتنے ہی میر جعفر نواب بننے کے چکر میں انگریزوں کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ کتنے ہی ابن علقمی اپنے مذہبی حریفوں کو زیر کرنے کے لالچ میں ہلاکو خانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ لیکن بعد میں نوابی کے طلبگاروں کے سروں کا مینار بنانے والی بغداد کی رسم پھر دوہرا دی گئی۔

عالم اسلام کے پاس کیا نہیں ہے۔ افراد کی قوت، ذہانت، دولت و ثروت سب کچھ ہے اور کمی ہے اسلامی غیرت اور حمیت کی۔ انگریز تو ہر دور میں کسی سراج الدولہ کو ہٹا کر کسی میر جعفر کو نواب بنانے کے چکر میں لگا رہتا ہے لیکن نہ جانے یہ حقیقت ہم کب سمجھیں گے۔ ماضی سے کب سبق لیں گے؟ اسلامی جذبہ کے فقدان کا نتیجہ غداری ہے جس نے مسلم قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

1۔ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 7، صفحہ 262

جہاد اور جدید آلات جہاد سے روگردانی

ہر مسلماں رگِ باطل کے لئے نشتر تھا
اس کے آئینہ ہستی میں عمل جوہر تھا

جو بھروسا تھا اسے قوت بازو پر تھا
ہے تمہیں موت کا ڈر اس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابلِ میراث پدر کیونکر ہو

(اقبال)

دشمن کے مقابلہ میں بھرپور جدوجہد اور سرتوڑ کوشش کرنا لغت میں جہاد کہلاتا ہے۔
شریعت میں جہاد سے مراد یہ ہے کہ دین کے تحفظ اور اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لئے پوری اور ہر ممکن کوشش کی جائے۔ جہاد ایمان کا حکم بھی ہے اور ثمرہ لازمی بھی۔ کیونکہ جب ایک بندہ اسلامی صداقتوں کو حقیقت میں پالے گا تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ انہیں آگے بڑھانے کے لئے سر دھڑ کی بازی نہ لگائے اور اس کے راستہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کا قلع قمع نہ کرے۔

قرآن کریم میں ایمان اور جہاد کو متعدد مقامات پر اکٹھا ہی ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایک ہی حقیقت کے دو رخ اور ایک ہی خواب کی دو تعبیریں ہیں ایک مقام پر سچے مومن کی نشانی یوں بیان کی گئی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

"اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت والی روزی ہے"۔ (انفال)

اہل ایمان کو اپنوں کی پہچان یوں کروائی گئی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ (انفال:75)

"اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ وہی لوگ تم میں سے ہیں"۔

جہاد کا لفظ انگریزی لفظ WAR (جنگ) کا ہم معنی لفظ نہیں ہے بلکہ جنگ یا قتال تو جہاد کا ایک جز ہے اور اس کی وسعتیں تو ہر اس شعبہ تک پھیلی ہوئی ہیں جہاں دین کی سربلندی کا کسی بھی طریقہ سے کوئی تصور پایا جاتا ہے۔

جہاد کی وسعتوں اور اس کے متعدد زاویوں کو جاننے کے لئے امام راغب الاصفہانی کا یہ بیان پڑھئے۔

اَلْجِهَادُ وَ الْمُجَاهَدَةُ اِسْتِفْرَاغُ الْوُسْعِ فِیْ مُدَافَعَةِ الْعُدُوِّ، وَ الْجِهَادُ ثَلَاثَةُ اَضْرُبٍ۔ مُجَاهَدَةُ الْعُدُوِّ الظَّاهِرِ وَ مُجَاهَدَةُ الشَّیْطٰنِ وَ مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ وَ تَدْخُلُ ثَلَاثُهَا فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ وَ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ وَ قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَاهِدُوْا اَهْوَاءَ كُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَاءَ كُمْ ۔ وَ الْمُجَاهَدَةُ تَكُوْنُ بِالْیَدِ وَ اللِّسَانِ قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ جَاهِدُوا الْكُفَّارَ بِاَیْدِیْكُمْ وَ اَلْسِنَتِكُمْ(1)

"جہاد اور مجاہد کا مطلب ہے دشمن کے مقابلہ میں پوری کوشش صرف کر دینا۔ اور جہاد کی تین قسمیں ہیں۔ ظاہری دشمن کیخلاف جہاد کرنا، شیطان کے خلاف جہاد کرنا اور نفس کے خلاف جہاد کرنا اللہ تعالیٰ کے ان فرامین میں یہ تینوں قسمیں شامل ہیں۔ "اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے"۔ "اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ راہِ خدا میں جہاد کرو"۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے، انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کیا" اور حضور ﷺ نے فرمایا۔ اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو جیسے اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے ہو۔ اور جہاد کبھی ہاتھ سے ہوتا ہے اور کبھی زبان سے حضور ﷺ نے فرمایا کافروں سے اپنے ہاتھوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو"۔

دین کو کمزور کرنے کے لئے جس اسلوب سے بھی کوششیں کی جا رہی ہوں اسی نہج پر ان کو جواب دینا اور ان کا توڑ کرنا جہاد کہلاتا ہے۔ دین پر حملہ کوئی صرف جنگ کے ذریعہ سے

1۔ مفردات الفاظ القرآن، مادہ جہد، صفحہ 99

ہی نہیں کیا جاتا۔ بلکہ مختلف پہلوؤں سے کیا جاتا ہے۔

کبھی اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اسلام ﷺ کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام صرف ایک نظریہ ہے یہ کوئی عمل (PRACTICABLE) دین نہیں ہے۔ کبھی بے تحاشا دولت لٹا کر لوگوں کو ایمان سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ کبھی انسان کے اندر کا چھپا ہوا نفس اور اس کی جبلی خواہشات ہی اسے دین سے دور لے جانے کے لئے سر اٹھاتی ہیں۔ اور کبھی جبر سے اور طاقت کے بل بوتے پر مسلمانوں کے حقوق پامال کیے جاتے ہیں۔ اور ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے علم کا جواب علم، دلیل کا جواب دلیل، پیسے کا جواب پیسہ اور طاقت کا جواب طاقت سے ہی دیا جاسکتا ہے۔

ع ہیرا درکار ہے ہیرے کا جگر کاٹنے کو

اس لیے باطل کے جتنے رخ ہوں گے جہاد کے بھی اتنے ہی دائرے اور زاویے ہوں گے

جب کوئی فرد یا تحریک اسلامی تعلیمات کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرے جیسا کہ مستشرقین کرتے ہیں تو علم کے میدان میں ان کے اعتراضات کو رد کرنا بھی جہاد ہے اسے جہاد بالعلم کہا جاتا ہے۔

جب اس فکر کو فروغ دیا جائے کہ اسلام کوئی قابل عمل دین نہیں ہے یہ تو صرف ایک نظریہ یا تھیوری ہے تو اس کا جواب نہ تلوار ہے نہ فلسفہ اور نہ ہی بحث وتمحیص۔ اس کا جواب صرف اور صرف عمل ہے کہ عمل سے ثابت کیا جائے کہ اسلام نہ صرف قابلِ عمل دین ہے بلکہ انسانیت کے لئے واحد اور بہترین ضابطہ حیات یہی ہے۔ مسلمان کا عمل جب اسلام کی صداقتوں کا منہ بولتا ثبوت بن جائے۔ تو یہ بھی جہاد ہے اسے جہاد بالعمل کہا جاتا ہے۔ اسلام کے کتنے ہی ایسے بطل جلیل ہیں جن کی پاکیزہ سیرتوں اور خوبصورت اعمال کو دیکھ کر غیر مسلم پکار اٹھے کہ جس مذہب کا یہ پیرو ہے وہی مذہب سچا ہے اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ مسلمان کی بے عملی صرف اس کے اثرات صداقتِ اسلام تک جا پہنچتے ہیں اور بسا اوقات حالات یہاں تک پہنچ جاتے ہیں کہ

ع ۔ امتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں

اگر من صاف نہ رہے تو بڑی سے بڑی نیکی بھی برباد ہو کے رہ جاتی ہے ایک مجاہد اگر میدان جنگ میں کشتوں کے پشتے بھی لگا دیتا ہے لیکن اگر نیت میں اخلاص نہ رہے۔ تو اس کا یہ عمل خیر بھی رائیگاں اور برباد ہو جائے گا۔ گویا نفس انسانی راہِ حق کی بہت بڑی رکاوٹ بن گیا۔ اور اس کا اتنا بڑا نیک عمل برباد ہو کے رہ گیا اس لیے اپنے من کو صاف کرنا بھی جہاد ہے اور دشمن کو زیر کرنا آسان ہے لیکن اپنے نفس کو زیر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کفر شکنی مشکل ہے لیکن نفس شکنی اس سے بھی مشکل ہے شاید اسی لیے نفس کے خلاف جہاد کو نہ صرف ''جہاد النفس'' کہا گیا بلکہ اسے ہی ''جہاد اکبر'' بھی کہا گیا جب نبی کریم ﷺ ایک غزوہ سے واپس لوٹ رہے تھے تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر ۔ اب ہم ایک چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ یعنی میدان جنگ سے مجاہدہ نفس کی طرف۔

ملا علی قاری اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ذُکِرَ الْحَدِیْثُ فِی الْاِحْیَاءِ وَ نَسَبَهُ الْعِرَاقِیُّ اِلَی الْبَیْهَقِیِّ مِنْ حَدِیْثِ جَابِرٍ وَ قَالَ هٰذَا اَسْنَاد فِیْهِ ضُعْفٌ وَ قَالَ السِّیُوْطِیُّ رَوٰی الْخَطِیْبُ فِیْ تَارِیْخِهٖ مِنْ حَدِیْثِ جَابِرٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ مِنْ غَزَاةٍ لَهُمْ فَقَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَدْ مْتُمْ خَیْرَ مَقْدَمٍ وَ قَدِمْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَکْبَرِ قَالُوْا وَ مَا الْجِهَادُ الْاَکْبَرُ قَالَ مُجَاهَدَةُ الْعَبْدِ هَوَاهُ(1)

''یہ حدیث احیاء (العلوم) میں ذکر کی گئی ہے اور عراقی نے حضرت جابر کی سند سے بیہقی کی طرف اس کی نسبت کی اور کہا کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔ اور امام سیوطی

---

(1) الموضوعات الکبیر، صفحہ 69

فرماتے ہیں کہ خطیب نے اپنی تاریخ میں حدیث جابر سے روایت کیا۔ کہ نبی کریم ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضور ﷺ نے فرمایا آپ کا آنا مبارک ہو۔ آپ چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہیں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا وہ بڑا جہاد کیا ہے تو آپ نے فرمایا۔ بندے کا اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرنا"۔

چونکہ نفس کو ریا، دکھاوا، حب دنیا اور جاہ وحشمت کی طلب سے پاک کر کے خالص رضائے الٰہی کا طالب بنانا سب سے مشکل کام ہے اس لیے اسے جہاد اکبر کہا گیا اور یہی جہاد بالنفس کہلاتا ہے۔

اللہ کے دین کو پھیلانے اور غلبہ دین کے لئے مال کی بھی ضرورت یقیناً ہوتی ہے اس راستے میں مال لٹانا بھی جہاد ہے اسے جہاد بالمال کہا جاتا ہے قرآن مجید میں اکثر مقامات پر جاهدوا با موالهم و انفسهم کے الفاظ آئے ہیں۔ کہ اپنے جانوں اور اپنے مالوں سے جہاد کرتے ہیں۔

جب کفار مسلمانوں کے حقوق پامال کریں یا مسلمانوں پر کسی بھی طریقہ سے ظلم وستم کریں۔ یا خدا کے قانون کے تابع نہ ہوں اور کسی بھی قسم کی دلیل تسلیم نہ کریں۔ اور خلق خدا پر ظلم وستم کرتے رہیں تو جنگ وجدل تک نوبت پہنچ جاتی ہے اسے "جہاد السیف یا جہاد بالقتال" کہا جاتا ہے۔ یادر ہے کہ جنگ وجدل مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو بامر مجبوری اسے اختیار کیا جاتا ہے ورنہ اسلام کا مقصود ہدایت ہے نہ کہ جنگ وجدل۔

غزوہ خیبر کے موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو میدان جنگ میں بھیجتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے علیؓ! پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا کسی ایک آدمی کا اسلام قبول کر لینا بھی سرخ اونٹوں کے ملنے سے بہتر ہے او کما قال۔

چونکہ آج کل جب کہا جائے کہ فلاں صاحب جہاد کر رہے ہیں تو اس عموماً جہاد کی یہی

قسم مراد لی جاتی ہے اور اس جہاد کے متعلق عجیب وغریب بدگمانیاں بھی پھیلائی جارہی ہیں۔ اس لیے طوالت سے دامن بچاتے ہوئے اس جہاد کے متعلق چند ضروری باتیں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اقول وباللہ التوفیق

اسلامی تصور جہاد

اسلام بحیثیت انسان جان کے احترام کا حکم دیتا ہے۔ وہ بنی آدم کے قابلِ تکریم ہونے کا درس دیتا ہے۔ وہ انسان کو دستِ قدرت کا شہکار کہتا ہے۔ اور اسلام کہتا ہے کہ جس نے بھی کسی انسان کو بغیر قصاص یا فساد کے قتل کیا اس نے گویا پوری دنیا کو قتل کیا۔ اور جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی اس نے گویا پوری انسانیت کی جان بچائی۔ اور تاریخ انسانی کا وہ سب سے بڑا انقلاب جو پیغمبر اسلام ﷺ کے ہاتھوں رونما ہوا۔ اس میں انسانی جان کا جو احترام نظر آتا ہے۔ پوری دینا میں اس کی مثال تلاش کرنے کی کوشش کرنا بھی سعی لاحاصل ہے۔ دنیا میں تو چھوٹے چھوٹے اختلافات پر خون کی ندیاں بہادی جاتی ہیں لیکن اس عظیم ترین انقلاب میں بچوں، بوڑھوں، ضعیفوں، عورتوں اور جنگ میں شرکت نہ کرنے والے مردوں سے کوئی تعرض نہ کیا۔ اور پورے انقلاب میں طرفین سے صرف ساڑھے نوسو افراد قتل ہوئے ہیں۔

اسلام انسانی جان کا احترام کرتا ہے لیکن اسلامی تعلیمات کے مطابق حق جان سے بھی زیادہ قابلِ احترام ہے۔ اس لیے اگر کوئی انسان حق کے راستے میں رکاوٹ بنے یا حق کسی انسان کے قتل کا مطالبہ کرے تو اسلام نہ صرف اس انسان کے قتل کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس کے قتل کا حکم دیتا ہے۔ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم وہ انسانی جان کے احترام کو بھی اس شرط کے ساتھ مشروط کرتا ہے کہ وہ انسان حق کا مزاحم نہ ہو۔

لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (انعام:151)

”کسی ایسی جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے قتل نہ کرو سوائے اس صورت کے کہ ایسا کرنا حق کا مطالبہ ہو“۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (مائدہ:32)

"جو کسی کو قتل کرے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا یا زمین میں فساد کیا ہو۔تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا"۔

یعنی انسانی جان اسی وقت تک محترم ہے جب تک وہ قتل نفس یا فساد فی الارض کی مرتکب نہ ہو۔بصورت دیگر اس کی جان کا احترام ختم ہو جائے گا۔حق کے راستے میں رکاوٹ بننے والے اور زمین میں فساد برپا کرنے والے افراد دراصل نہ معاشرے کے لئے مفید ہوتے ہیں اور نہ ہی ملک وقوم کے لئے۔وہ اس گھاس پھونس کی طرح ہوتے ہیں جو فصل کے ساتھ اُگ آتے ہیں فصل کو بچانے کے لئے انہیں اکھاڑ پھینکنا نہ اخلاق کی نظر میں معیوب ہے اور نہ قانون کی نظر میں۔

یا اگر کسی انسان کا ہاتھ گل جائے۔اور طبیب یہ کہے کہ اگر اس ہاتھ کو نہ کاٹا گیا تو بازو اور دیگر انسان بدن کو بھی نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔تو انسان بدن کو بچانے کے لئے اس ہاتھ کاٹ دینا عین عقل اور اخلاق کے مطابق ہے۔ایسے ہی جو افراد حق کے راستہ میں مزاحم ہوں یا زمین میں فساد کے مرتکب ہوں انہیں ختم کرنا دراصل حق کی راہ ہموار کرنا اور زمین کو فساد سے پاک کرنا ہی ہے۔

مقاصدِ جہاد اور اقسامِ جہاد

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق جہاد کا مطلب نہ تو مالِ غنیمت کا حصول ہے اور نہ ہی کشور کشائی کی ہوس۔اسلامی جہاد کس لیے ہے؟ اور اس کے مقاصد کیا ہیں۔اس سوال کا جواب ہمیں اس وقت بخوبی مل جائے گا جب جہاد کی اقسام پر غور کریں گے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق جہاد کی دو قسمیں ہیں۔

(1) دفاعی جہاد (2) اقدامی جہاد

1۔دفاعی (DEFENSIVE) جہاد

جب کافر مسلمان ملک یا شہر پر حملہ کر دیں۔ یا کسی جگہ مسلمانوں کو تنگ کریں۔ یا مسلمانوں پر ظلم وستم کریں تو مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان کے خلاف جہاد کریں قرآن کریم میں اس جہاد کا تذکرہ متعدد مقامات پر کیا گیا ہے چند آیات ملاحظہ ہو۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝ (النساء)

''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم راہِ خدا میں ان کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کے لئے نہیں لڑتے۔ جو کہتے ہیں خدایا! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی پیدا کر دے۔ اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار پیدا فرما دے''۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ (بقرہ)

''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ مگر زیادتی نہ کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور قتل کرو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو انہیں جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ اور فتنہ قتل سے سخت تر ہے''۔

یہ آیات دفاعی جہاد کا حکم دے رہی ہیں۔ ایسی صورت میں کہ جب کافر کسی مسلمان ملک یا شہر پر حملہ آور ہونے کے لیے اپنی فوجیں سرحدوں پر جمع کریں یا کسی مسلمان ملک پر حملہ آور ہو جائیں۔ یا کسی جگہ مسلمانوں پر صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم وستم کیا جار

ہو۔ اور مسلمانوں کا امیر عام اعلان جنگ کر دے تو یہ دفاعی جہاد کہلائے گا اور یہ ہر اس بندے پر فرض عین ہوگا جو جہاد کی استطاعت رکھتا ہے۔ اس میں عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اور بیٹا اپنے والدین کی اجازت کے بغیر نکلے گا۔

اور جس شہر پر کافر حملہ آور ہوں اگر وہ لوگ خود اپنا دفاع نہ کر سکتے ہوں تو ساتھ کے شہر یا ملک والوں پر بھی فرض عین ہوگا کہ وہ ان کے ساتھ شریک جہاد ہوں۔

2 ۔اقدامی (OFFENSIVE) جہاد

اس سے مراد یہ ہے کہ جب فتح کا ظن غالب ہو تو مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے وہ کافر قوم کے سامنے تین شرطیں رکھے۔

(1) اسلام قبول کر۔

(2) جذیہ دے دو۔

(3) جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو یہ طرفین کی سعادت ہوگی۔ اگر وہ جزیہ دینے پے رضامند ہو جائیں۔ تو ان کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر لازم ہوگی اور ان سے کوئی اور ٹیکس بھی نہیں لیا جائے گا۔ جزیہ کے عوض مسلمان حکومت ان کے جان و مال اور عقیدے کے تحفظ کی ضامن ہوگی۔ جزیہ تمام غیر مسلموں سے نہیں صرف انہیں سے لیا جائے گا جو جنگ کے اہل ہوں گے اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوں تو ان سے جنگ کی جائے گی اور ان کا تسلط ختم کیا جائے گا۔ اور ان کے عقیدہ کے معاملہ میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔

قرآن مجید کی ان آیات میں اسی جہاد کا ذکر ہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۝ (بقرہ)

"اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اس کے بعد سختی نہیں ہے مگر ظالموں پر"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ (انفال)

"اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ ان کیا اعمال کو دیکھنے والا ہے"۔

ان آیات میں دین سے مراد یہ نہیں کہ سب کو طاقت کے بل بوتے پر اور تلوار کے زور پر مسلمان کر لیا جائے بلکہ یہاں دین سے مراد غلبہ اور اقتدار ہے۔ ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ تم اس وقت تک ان سے لڑو کہ جب تک وہ اسلام کی غلبہ اور اقتدار تسلیم نہ کر لیں تا کہ حکومت اور فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ ہو جائے۔ عدل و انصاف اور حریت و مساوات کا دور دورہ ہو اور کوئی کسی پر بے جا جبر اور تشدد سے اسے اس کے عقائد سے نہ روک سکے۔ مفسرین کرام کا یہی مفہوم مراد لیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اسی مقام پر لکھتے ہیں۔

لَيْسَ الدِّيْنُ مِلَّةَ الْاِسْلَامِ وَ مَا يَتَعَبَّدُ بِهٖ وَ اِلَّا يَلْزِمُ التَّعَارُضُ بَيْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَ بَيْنَ قَوْلِهٖ تَعَالٰى حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ۔ بَلِ الْمُرَادُ مِنْهُ الْقَهْرُ وَالْغَلَبَةُ وَ الْاِسْتِيْلَاءُ وَ السُّلْطَانُ وَ الْمُلْكُ وَ الْحُكْمُ

"اس آیت میں الدین سے ملت اسلام یا اس کا نظام عبادت مراد نہیں ورنہ اس آیت میں اور دوسری آیت حتی یعطوا الجزیۃ میں تعارض آئے گا کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جب تک وہ دین اسلام کو قبول نہ کر لیں۔ اس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھو اور دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ سر تسلیم خم کر لیں اور جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو جنگ بند کر دو۔ اس لیے یہاں الدین کا مفہوم غلبہ، بالادستی، قوت اور اقتدار ہے"۔

یعنی جب ملت اسلامیہ کو غلبہ اور اقتدار حاصل ہو جائے گا۔ تو پھر اس کے ظل ہمایوں کے نیچے اپنوں اور بیگانوں سب کو پناہ مل جائے گی۔ کسی پر جبر و استبداد نہ ہوگا۔ اسلام کو قبول کرنے والے اور نہ کرنے والے سب عزت اور آزادی کی زندگی بسر کر سکیں گے۔(1)

جہاد کی یہ قسم فرض کفایہ ہے اور اس کی درج ذیل شرائط ہیں

(1) دشمن دینِ اسلام کو قبول کرنے سے انکار کردے اور مسلمانوں اور دشمنوں کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ نہ ہو۔

(2) مسلمانوں کو یہ توقع اور امید ہو کہ جنگ میں مسلمانوں کو کفار پر غلبہ حاصل ہوگا اگر مسلمانوں کو یہ توقع اور امید نہ ہو تو پھر ان کے لئے کفار سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب مسلمانوں کو جنگ کی قوت اور سامان حرب میں برتری حاصل نہ ہو تو پھر ان کا کفار سے جنگ کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔(2)

جہاد کی یہ قسم فرض کفایہ ہے۔ اگر مذکورہ شرائط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی کوئی ایک جماعت بھی یہ جہاد کرتی رہے تو تمام دنیا کے مسلمان گنہگار نہیں ہوں گے اور اگر کوئی بھی جماعت نہ نکلے تو سب لوگ گنہگار ہوں گے بشرطیکہ شرائط جہاد پائی جائیں۔

جہاد کی یہ قسم بھی دراصل دنیا سے ظلم کے خاتمہ کے لئے ہے جو کہ اسلامی جہاد کا مقصد اصلی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ جب ایک قوم طاقت کے نشہ میں ظلم و جور کی راہوں پر چل نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کھڑی کر دیتا ہے۔ جس سے طاقت کا توازن برقرار رہتا ہے اور زمین ظلم و جور سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اس خدائی قانون کا تذکرہ متعدد مقامات پر فرمایا گیا ہے۔ ایک جگہ پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ)

"اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا۔ تو زمین فساد سے بھر جاتی۔ لیکن

1۔ بحوالہ ضیاء القرآن، جلد 2، صفحہ 150   2۔ فتاویٰ عالمگیری، جلد 2، صفحہ 188

اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل وکرم کرنے والا ہے"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۝ (الحج)

"اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے کے ذریعہ سے بچاؤ نہ کرتا، تو خانقاہیں، گرجے، عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے ڈھا دیئے جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے"۔

ظہور اسلام کے وقت پوری دنیا پر نفس پرستوں کا غلبہ تھا کہیں شاہوں کے روپ میں اور کہیں مذہبی رہنماؤں کے بھیس میں۔ جاہل اقوام تو درکنار اپنے آپ کو متمدن قوم میں شمار کرنے والے لوگ بھی ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ اپنے مہمانوں کو خوش کرنے کے لئے اور تماشا دیکھنے کے لئے معصوم انسانوں کو درندوں سے پھڑوا دیا جاتا ہے۔ بادشاہ کی بات قانون تھی۔ بے بس انسانوں اور بالخصوص صنف نازک پر جن جن طریقوں سے ظلم ڈھایا جاتا تھا اس کا تصور کر کے آج بھی جبین انسانیت عرقِ ندامت سے شرابور ہو جاتی ہے۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلم قوم کو کھڑا کیا اور انہیں یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ لوگوں کو ظلم سے بچائیں۔ مسلمان اسی اعلیٰ مقصد کے لئے نکلے اور ان کا یہی نکلنا جہاد تھا۔ انہوں نے قوم کو جبراً مسلمان نہیں کیا۔ البتہ اسی جہاد کی برکت سے لوگ ظلم سے محفوظ ہوئے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا یا نہ کیا انہیں جہاد کی برکات سے امن وسکون ضرور ملا۔

اسلام کا کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں نے کسی کو جبراً مسلمان کیا ہو۔ مسلمان یہ کہتے تھے کہ ہر فرد اپنے عقیدے کے مطابق رہے لیکن مخلوقِ خدا پر نہ شاہانہ ظلم کرے اور نہ راہبانہ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے سبب دنیا ظلم سے محفوظ ہوئی

تاریخ میں ایسے بہت سے شواہد ہیں کہ اسلام قبول نہ کرنے والی قوم بھی چاہتی تھی کہ ان کا اقتدار مسلمانوں کے پاس رہے کیونکہ جو عدل وانصاف اور محبت وشفقت انہیں مسلمانوں سے ملی تھی اس نے انہیں مسلمانوں کا گرویدہ بنا دیا تھا۔

حمص کے لوگوں نے مسلمانوں کو جذیہ دینا قبول کر لیا تھا۔ جب جنگ یرموک کی تیاری کے سلسلہ میں حمص خالی کر کے ساری فوج دمشق میں جمع کرنے کا فیصلہ کیا۔ تو انہوں نے جو جذیہ کی لاکھوں کی رقم وصول کی تھی وہ اہل حمص کو واپس کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسلمان لوگوں کے دروازے کھٹکھٹا کر انہیں کہتے تھے کہ چونکہ ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ اس لیے اپنی رقم واپس لے لو۔ عیسائی مسلمانوں کے اس اعلیٰ اخلاق کو دیکھ کر روتے تھے اور کہتے تھے خدا تمہیں واپس لائے۔ یہودی اس قدر جوش میں آئے کہ انہوں نے کہا" جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ انہوں نے شہر کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ پہرے بٹھا دیئے۔

کیا محمد بن قاسم کے واپس چلے جانے کے بعد ہندوؤں نے اس کا بت بنا کے نہیں پوجا تھا؟

ایسا کیوں ہوا؟ اس کا سبب صرف اور صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کے جہاد نے غیر مسلموں کو بھی ظلم وستم سے نجات دلا دی تھی۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ مسلمان ہی ہمارے حکمران ہوں۔ اسلامی جہاد نے دنیا کو کیا دیا۔ اس کے تفصیلی حالات جاننے کے لئے مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب" انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" کا مطالعہ کیا جائے۔

تفاصیل بالا سے معلوم ہوا کہ جہاد دفاعی ہو یا اقدامی اس کے مقاصد یہ ہیں۔

دنیا کو ظلم وستم سے محفوظ کیا جائے۔

نفس پرستی کی جگہ خدا پرستی کو فروغ دیا جائے۔

دنیا سے فتنہ اور فساد کا قلع قمع کیا جائے۔

مظلوم اور مقہور انسانوں کی مدد کی جائے۔

ہر انسان کو اس کا حق دلایا جائے۔

چونکہ جہاد کے مقاصد بہت اعلیٰ اور برتر ہیں اس لیے جہاد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو بہت ہی محبوب اور پسند ہیں۔ قرآن وسنت میں جہاد کی بہت عظمت بیان کی گئی ہے چند مقام ملاحظہ ہوں۔

جہاد قرآن وسنت کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۝ (النساء)

"جو راہِ خدا میں جنگ کرے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اسے ہم ضرور اجر عظیم عطا کریں گے"۔

لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝

"مومنوں میں سے وہ لوگ جو بغیر کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے بیٹھنے والوں کی نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو بڑا درجہ دیا ہے۔ اگرچہ اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا ہی وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بیٹھنے والوں پر جہاد کرنے والوں کو بہت بڑے اجر سے فضیلت دی ہے۔ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں۔ مغفرت اور رحمت ہے۔ اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور

رحم فرمانے والا ہے"۔ (النساء)

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آلِ عمران)

"جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور لڑے اور قتل کیے گئے میں ان کے گناہ بخش دوں گا اور انہیں بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ خدا کے ہاں سے بدلہ ہے اور خدا کے ہاں اچھا بدلہ ہے"۔

اور اللہ سے بہترین تجارت کا حال بھی سنئے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (الصف)

"اے ایمان والوں کیا تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور عمدہ مکانوں میں داخل کرے گا جو ہمیشہ رہنے والے باغوں میں ہوں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

قرآن مجید یہ بھی اعلان فرماتا ہے کہ جو راہِ حق میں قتل ہو جاتے ہیں حیاتِ سرمدی

پا جاتے ہیں۔

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ
یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ
عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ
وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (آل عمران)

"اور جو لوگ راہِ خدا میں مارے جائیں اور انہیں مردہ گمان نہ کرو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس۔ انہیں روزی دی جاتی ہے۔ وہ اس پر خوش ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے۔ اور خوشخبری لے رہے ہیں کہ جو لوگ ان کے پیچھے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ان کے لیے بھی نہ کوئی خوف ہے اور نہ غم۔ وہ اللہ کے انعام اور فضل پر خوش ہو رہے ہیں اور اس پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا"۔

اب جہاد کے متعلق چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں۔

وَ اعْلَمُوْا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ

"جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے"۔(1)

مَنْ حَرَسَ لَیْلَةً عَلٰی سَاحِلِ الْبَحْرِ کَانَ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَتِهٖ
فِیْ اَهْلِهٖ اَلْفَ سَنَةٍ(2)

"جو پہرہ دیتے ہوئے ساحل سمندر پر ایک رات جاگا تو یہ اس کے لیے اپنے گھر میں ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہوگا"۔

مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِیْمَانًا بِاللّٰهِ وَ تَصْدِیْقًا
بِوَعْدِهٖ فَاِنَّ شِبَعَهٗ وَ رِیَّهٗ وَ رَوْثَهٗ وَ بَوْلَهٗ فِیْ مِیْزَانِهٖ یَوْمَ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، رقم الحدیث 830 2۔ الترغیب والترہیب، رقم الحدیث 1850

الْقِيَامَةِ يَعْنِیْ حَسَنَاتٍ(1)

"جس نے اللہ پے ایمان رکھتے ہوئے اور تصدیق کرتے ہوئے جہاد کے لئے ایک گھوڑا پالا تو قیامت کے دن اس کا چارہ، لید اور پیشاب بھی کے نیکیوں کے پلڑے میں تولا جائے گا"۔

حضور ﷺ سے پوچھا گیا۔

اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ(2)

"سب سے افضل عمل کون سا ہے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ عرض کیا گیا پھر فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ مِائَۃَ دَرَجَۃٍ اَعَدَّ اللّٰہُ لِلْمُجَاھِدِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَابَیْنَ الدَّرَجَتَیْنِ کَمَابَیْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ(3)

"اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لئے جنت میں سو درجے تیار کیے ہیں ایک درجے سے دوسرے درجے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے"۔

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔

مَنْ مَاتَ وَ لَمْ یَغْزُ وَ لَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِنَ النِّفَاقِ(4)

"جو مر گیا نہ کبھی اس نے جہاد کیا اور نہ کبھی اس نے اس کے متعلق سوچا وہ منافقت کی اقسام میں سے ایک قسم پر مرا"۔

1۔ نفس مصدر، رقم الحدیث 1872
2۔ ریاض الصالحین، رقم الحدیث 1283
3۔ الترغیب والترہیب، رقم الحدیث 2069
4۔ نفس مصدر، رقم الحدیث 1298

قرآن وسنت کے ان چند ارشادات سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں جہاد کی اہمیت کیا ہے اور اس کا ایمان کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہے۔

آیئے اب اپنے گریبانوں میں جھانک کر سوچیں کہ

ہماری زندگیوں میں جہاد کا کتنا حصہ ہے؟

ہماری آمدنی کا کتنے فیصد اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے صرف ہو رہا ہے؟

ہماری کوششوں کا کتنا حصہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہے؟

کیا ہم اپنے نفس کو رضائے الٰہی کے تابع کرنے کے لئے بھی جہاد کر رہے ہیں؟

کیا ہمارا عمل اسلام کی رسوائی کا باعث تو نہیں بن رہا؟

کیا ہمارا جہاد مسلکی سطح کا تو نہیں؟

کیا ہم اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لئے کسی بھی طرح جہاد اور جہد مسلسل کر رہے ہیں؟

کیا ہم اپنے مظلوم اور بے بس بھائیوں کی کسی بھی طرح مدد کر رہے ہیں؟

اگر ہماری ساری کوششوں اور کاوشوں کا محور اپنی ذات، اپنا گھر، اپنی تجارت اور اپنی شہرت و ناموری ہی ہے تو پھر ہمیں ان عزتوں اور سر بلندیوں کی تمنا نہیں کرنی چاہیے جس کا وعدہ اللہ نے اہل ایمان سے فرمایا ہے۔

ہمیں یا اپنی محنتوں اور کوششوں کا رخ بدلنا چاہیے یا ان پستیوں اور ناکامیوں پر اظہار حیرت و افسوس کرنا چاہیے ہمیں مان لینا چاہیے کہ جو قوم اللہ کے دین کے لیے جدو جہد اور جہاد چھوڑ دے وہ اللہ کی رحمتیں نہیں سمیٹتی اس کے غضب کی مستحق ہوتی ہے اس کا مقدر عروج نہیں زوال ہوتا ہے۔

ہمیں حضور ﷺ کے اس فرمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔

مَاتَرَكَ قَوْمٌ الْجِهَادَ إِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِالْعَذَابِ(1)

''جب بھی کوئی قوم جہاد ترک کر دیتی ہے تو اسے اللہ کا عذاب گھیر لیتا ہے''۔

1۔ نفس مصدر، رقم الحدیث 2072

جدید سامانِ حرب سے روگردانی

اسلامی تعلیمات کے مطابق تمام تر طاقتوں اور جملہ قوتوں کا مالک اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (بقرہ:165)

"بے شک ساری کی ساری قوت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے"۔

اور جنگ میں فتح ونصرت مال واسباب کی فراوانی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی تائید سے ملتی ہے غزوہ بدر میں اہلِ اسلام کی مدد کے لئے فرشتے آئے تھے لیکن وہاں بھی وضاحت فرمادی گئی کہ فتح ونصرت کا حقیقی سبب فرشتے نہیں بلکہ نصرت الٰہی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۝

"جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سنی کہ میں تمہاری مدد کے لئے پے درپے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔ اور یہ اللہ نے صرف اس لیے کہا کہ تمہارے لیے خوشخبری ہو اور اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ اور مدد تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے آتی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت غلبے والا اور حکمت والا ہے"۔ (انفال)

لیکن اسلام کے اس نظریہ کا عملی نتیجہ بے عملی یا اسباب کے حصول سے لاپرواہی نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ رازق اللہ ہے لیکن رزق کے لئے تگ ودو بندے پر لازم ہے عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن عزت پانے اور ذلت سے بچنے کے لئے جدوجہد کرنا انسان کا فریضہ ہے۔ اسلام کا حکم یہ ہے کہ بندہ مادی اسباب کی فراہمی میں بھرپور کوشش کرے۔ اپنی طرف سے کوئی کمی نہ چھوڑے اور پھر نتیجہ

اللہ تعالیٰ کی ذات کے سپرد کرے اور اس کا اعتماد مادی اسباب پر نہ ہو بلکہ ذاتِ الٰہی پر ہو۔ توکل کے نام پر عمل چھوڑ دینا اسلامی تعلیمات کے بالکل منافی ہے۔ بقول اقبال

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

جب ایک آدمی حضور سید عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میری اونٹنی بھاگ گئی ہے تو آپ نے اس سے پوچھا کیا تم نے اس کا گھٹنا باندھا تھا۔ اس نے کہا نہیں میں نے اللہ پے توکل کیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا اعقلها و توکل پہلے اس کا گھٹنا باندھ اور پھر اللہ پے توکل کر۔

توکل کا یہ مقصد ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

جہاد کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اہلِ اسلام کو اس کے لئے بھرپور تیاری کرنی چاہیے۔ زمانے کی جدت جیسی تیاری کی متقاضی ہو اس میں کسی قسم کی سستی اور لاپرواہی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ سامان جہاد کی تیاری بذات خود عبادت ہے۔ یہ حدیث پاک پہلے گزر چکی ہے کہ مجاہد جو گھوڑا جہاد کے لئے پالتا ہے اس کا چارہ اور لید بھی قیامت کے دن اس کی نیکیوں کے پلڑے میں تولا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے۔

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (الانفال)

" اور ان کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت اور اپلے ہوئے گھوڑے تیار رکھو۔ تا کہ اس سے تمہارے دشمنوں اور اللہ کے دشمنوں پر تمہاری ہیبت قائم ہو جائے۔

اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا کر دیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جائے گی"

یہاں قوت سے مراد ہر قسم کا وہ سامانِ حرب ہے جو کسی دور میں جنگ میں کام آسکے۔ امام فخر الدین رازی اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

والمراد بالقوة ههنا۔ مایکون سببا لحصول القوة و ذکروا فیه وجوها: الاول: المراد من القوة انواع الاسلحة: الثانی: روی انه صلی اللهعلیه وسلم قرء هذه الآیة علی المنبر و قال"ان القوة الرمی" قالها ثلاثا: الثالث: قال بعضهم: القوة هی الحصون الرابع : قال اصحاب المعانی الاولی ان یقال: هذا عام فی کل ما یتقوی به حرب العدو و کل ما هوآلة للغزو الجهاد فهومن جملة القوة .... وهذا الایة تدل علی ان الاستعداد للجهاد بالنبل و السلاح و تعلیم الفروسیة و الرمی فریضة الاانه من فروض الکفایات۔(1)

" یہاں قوت سے مراد ہر وہ چیز ہے جو قوت کے حصول کا ذریعہ ہو۔ اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ یہاں قوت سے مراد اسلحہ کی مختلف اقسام ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منبر پر اس آیہ کریمہ کو پڑھا اور فرمایا۔ خبردار یہاں قوت سے مراد رمی ہے (رمی کا لفظی معنی پھینکنا ہے۔ یہ تیر اندازی کے لئے استعمال ہوتا ہے یا تو اس سے مراد ہر وہ ہتھیار ہے جو دور سے پھینکا جائے اس صورت میں تو اس کی وسعت تمام ان ہتھیاروں کو شامل ہے جو قیامت تک ایجاد ہوں گے اگر اس سے مراد تیر اندازی بھی لیا جائے تو اس

1۔ تفسیر کبیر، جلد15، صفحہ 175

وقت آلات حرب یہی تھے۔ اس لیے یہ تمام آلات حرب کو شامل ہوگا واللہ اعلم)
آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہاں قوت سے مراد قلعے ہیں۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اصحاب معانی کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جس سے جنگ میں دشمن کے خلاف تقویت حاصل کی جائے ہر وہ چیز جو جنگ یا جہاد میں ہتھیار کا کام دے وہ قوت میں داخل ہے۔

.... یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جہاد کے لئے نیزوں، اسلحہ، شہسواری اور تیر اندازی کا سیکھنا فرض ہے۔ مگر یہ کہ یہ فرض کفایہ ہے"۔

اسلام میں آلات حرب کی فراہمی کی جو تاکید اور فضیلت ہے وہ مذکورہ بیان سے واضح ہوگئی۔ نبی کریم ﷺ نے منجنیق، دبابے اور دیگر قلعہ شکن آلات کے طریقے سیکھنے کے لئے چند مسلمانوں کو جرش بھیجا تھا جو طائف کے نواح میں ایک مقام تھا۔ خلافت راشدہ، اموی اور عباسی حکمرانوں کے عہد میں اسلامی فوج بہترین آلات جنگ سے مسلح ہوتی تھی۔ اس لیے رومیوں اور دیگر دشمنان اسلام پر فوقیت حاصل ہوتی تھی مغل اور ترک اعلی قسم کی بندوقیں رکھتے تھے اور وہ بہترین قسم کے توپ خانے رکھتے تھے۔ مسلمان ہمیشہ سامانِ حرب میں بھی فائق رہے اور انہوں نے کبھی کسی سستی اور لاپرواہی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ صلیبی جنگوں میں صلاح دلدین ایوبی کی فتح کا راز آتشیں تیر بھی تھے۔

لیکن تاریخ عالم اس پہ شاہد ہے اور عصر حاضر بھی اس کی گواہی دے رہی ہے کہ جب مسلمانوں میں جذبہ جہاد مفقود ہوا ہے۔ آلات حرب کی فراہمی میں بھی دیدہ و دانستہ کوتاہی کی جاتی ہے۔ بغداد کی تباہی میں کل بھی ایک عنصر سامانِ حرب کی فراہمی سے انحراف تھا اگر چہ یہ ایک گہری سازش تھی اور آج بھی سامان حرب سے تہی دستی اس کی تباہی کا باعث بنی یہ دانستہ تھی یا نادانستہ یہ خدا ہی جانتا ہے۔

امت مسلمہ کے حکمران اپنی ذات کے تحفظ کے لئے تو بے دریغ دولت لٹاتے ہیں لیکن سامان حرب کی فراہمی میں صرف رسم پوری کی جاتی ہے۔ یہ جدید دَور ہے۔ یہ تیروں اور

نیزوں کا زمانہ نہیں۔ ایٹم کا دور ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ مسلم امۃ ، بے تحاشا افرادی قوت ، مال وزر کی بے پناہ کثرت ، قدرت کے انمول خزانے اور اتنے ذہین اور قابل افراد رکھنے کے باوجود اس نعمت سے کیوں محروم ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ انہیں محرومی کا احساس بھی نہیں۔

اپنی شہ رگ دوسروں کے ہاتھ میں دینا توان کے زرخرید غلام بننے کا دوسرا نام ہوتا ہے۔

اگر کسی ایک اسلامی ملک نے یہ قوت کسی طرح حاصل کر بھی لی ہے تو وہ بھی دانستہ یا نادانستہ اتنا بے بس محسوس ہوتا ہے کہ

بے وقار آزادی ہم غریب ملکوں کی
سر پے تاج رکھے ہیں اور بیڑیاں ہیں پاؤں میں

ایٹمی قوت اور جدید سامان کا حصول نہ کسی فرد کا کام ہے اور نہ کسی تنظیم کا یہ حکومت وقت کی ذمہ داری ہے۔ حالات کا سامنا کرنا انہیں کا فرض ہے۔

نہ اِدھر اُدھر کی بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے غرض نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

اور

خزاں میں پھول کھلاؤ تو کوئی بات بنے
بہار آئے تو کانٹے بھی مسکراتے ہیں

امت مسلمہ کے ارباب اقتدار اس حقیقت کو کبھی نہ بھولیں کہ یقیناً ایک دن آئے گا جب سب حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں۔ تیز بولنے والی زبانیں گونگی ہو جائیں گی۔ مکرو فریب کی یہ سیاستیں ختم ہو جائیں گی اور اس دن رب محشر کے حضور تمہیں و اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل سے انحراف کا جواب دینا ہوگا! اور تمہیں بتانا ہو گا کہ اپنی ذات کے استحکام اور تحفظ کے لئے تم نے امت کو کیوں کمزور اور بے بس کر دیا تھا اور اپنے آپ کو بچانے کے لئے امت کو کیوں تباہ کروایا تھا؟

واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت!

مفاد پرست ہیں قیادتیں اپنی
اغیار سے ملتی ہیں عادتیں اپنی
خدا کے لئے نہیں لوگوں کے لئے
دکھاوے کی ہیں فقط عبادتیں اپنی
(اظہر)

مفاد پرست قیادتیں

کیسے منزل پہ پہنچتا کوئی
راہ میں رہنما بیٹھے ہیں

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خلافت کا مفہوم ایک بڑھیا نے سمجھایا تھا۔ آپ سے پوچھا گیا کیسے؟ تو فرمایا جب ہم بیت المقدس کی فتح سے واپس آ رہے تھے تو میں نے سوچا کہ راستے میں بغیر کسی تعارف کے لوگوں سے ملتا ہوں اور اپنے بارے میں ان کی رائے معلوم کرتا ہوں تو میں ایک ڈیرے پر چلا گیا وہاں ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا عمرؓ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہنے لگی اللہ ان کا بھلا نہ کرے سنا ہے بیت المقدس سے واپس آ رہا ہے میں نے اس سے پوچھا کہ آپ امیر المومنین کے متعلق اچھا خیال کیوں نہیں رکھتیں۔ کہنے لگی جب سے عمرؓ خلیفہ بنا ہے مجھے بیت المال سے میرا حصہ نہیں پہنچا۔ آپ نے فرمایا۔ آپ اتنی دور دراز جنگل میں رہتی ہیں۔ بھلا عمرؓ کو مدینہ میں کیسے پتہ چلے کہ آپ کو آپ کا حصہ نہیں پہنچا۔ یا تو آپ کوئی اپنا قاصد بھیجتیں۔ اگر پھر بھی آپ کا حصہ نہ ملتا تو آپ شکوہ کرتیں۔ ویسے تو شکوہ کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

وہ بڑھیا کہنے لگی کہ اگر عمرؓ یہ معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ مجھے میرا حصہ پہنچتا ہے یا نہیں تو پھر وہ میرا خلیفہ کیوں بن گیا تھا؟ آپ نے اس بڑھیا کو اس کا مکمل حصہ دلایا۔ اس سے تحریری معافی نامہ لیا اور اس پر گواہوں کے دستخط کروائے اور فرمایا اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ ایسا انتظام کروں گا کہ پہاڑوں میں ریوڑ چرانے والے گڈریئے کو بھی اس کا حصہ اس کی کٹیا میں پہنچے گا۔

اور آپ کا مشہور فرمان ہے کہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی پیاسا مر گیا تو قیامت کے دن مجھ سے سوال ہوگا کہ تیری خلافت میں بکری کا بچہ پیاسا کیوں مر گیا تھا جب ایمان قوی اور مستحکم ہو تو قائدین کی یہی فکر ہوتی ہے وہ قوم کے سردار نہیں خادم ہوتے ہیں۔ وہ بیت المال سے اتنا ہی حصہ لیتے ہیں جتنی ایک مزدور دن بھر کی مزدوری لیتا ہے وہ راتوں کو لوگوں کا پہرہ دیتے ہیں۔ وہ ایام خلافت میں بھی پیوند لگے کپڑے پہنتے ہیں۔ وہ اپنے ان بچوں کو، جو مدرسہ جانے کے لئے نئے کپڑوں کی ضد کرتے ہیں کیونکہ ان کے بوسیدہ اور پھٹے

کپڑوں پر دوسرے بچے طنز کرتے ہیں، کہتے ہیں بیٹا! سینہ تان کے مدرسہ میں دوسرے بچوں کے سامنے کھڑے ہو جانا اور کہنا کہ ہمارے والد کہتے تھے ہم غریب ہیں نئے کپڑے نہیں سلوا سکتے۔ وہ ویسا ہی کھانا کھاتے ہیں جیسے ایک عام آدمی کھاتا ہے اگر کسی فرد پر ظلم کی کوئی شکایت موصول ہو تو وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے جب تک اس کا تدارک نہ کر دیں۔

لیکن جب سے ایمان سے تعلق کمزور ہوا قیادت ہوس پرستوں، مفاد پرستوں اور جاہ طلب افراد کے ہاتھوں میں گئی تو انہوں نے اپنی ذات کو مقدم رکھا انہیں اپنا مفاد عزیز رہا ایسا بھی ہوا ایک فرد نے فقط اپنی ذات کے لئے ملک تباہ کر دیئے۔

قافلے برباد ہو کر رہ گئے تو کیا ہوا
مطمئن ہے قافلہ سالار اپنے کام سے

جب سے قیادتیں مفاد پرست ہوئیں ہیں قومی مفاد زوال پذیر ہوتا چلا گیا۔ تاریخ میں ایسے بہت سے شواہد ہیں کہ جب ایک انسان نے فقط اپنی ذات کی خاطر ایسے فیصلے کیے کہ جس کا نقصان کئی نسلوں تک قوم کو اٹھانا پڑا کیونکہ

فیصلے لمحوں کے ہو جاتے ہیں صدیوں پر محیط
ایک لغزش کئی نسلوں کو سزا دیتی ہے

تاریخ میں یہ منظر محفوظ ہے کہ جب موسیٰ بن نصیر اور طارق ابن زیاد اندلس کی مہم سر کرنے میں کوشاں تھے۔ مصروفیات کے سبب وہ یہاں کی اطلاعات دربار خلافت میں جلد جلد نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اسی لیے ولید بن عبد الملک موسیٰ بن نصیر کے متعلق بدگماں ہو گیا یہاں تک کہ اس نے قاضی کو نماز کے بعد موسیٰ کے حق میں بددعا کرنے کا حکم دے دیا۔ اسی اثنا میں موسیٰ کا قاصد فتح کی خوشخبری کے کر دمشق پہنچا اور یہاں پہنچ کر اس نے مسجد میں موسیٰ بن نصیر کے متعلق بددعائیں سنیں تو اسے سخت حیرت اور افسوس ہوا۔ وہ کہنے لگا لوگو! موسیٰ کے حق میں بددعا کرتے ہوئے تمہیں خدا سے ڈرنا چاہیے۔ میں ابھی ان کے پاس سے آ رہا ہوں۔ بخدا نہ اس نے خلیفہ کی اطاعت سے سرتابی کی ہے اور نہ ہی وہ اسلام سے سرگشتہ ہوا

ہے۔ وہ تو مشرکین کے ساتھ جہاد اور مسلمانوں کی عزت وحرمت کے دفاع میں مشغول ہے۔ خدا نے اسے جو فتوحات عطا فرمائی ہیں اور جو مال غنیمت اسے ملا ہے تم اس کا حال دیکھو گے تو بے حد مسرور ہو گے۔ جب قاصد نے ولید بن عبد الملک کو فتح کی تفصیلات سنائیں تو وہ بے حد خوش ہوا اور سجد ہائے شکر بجالایا۔

لیکن ابھی اندلس کی فتح مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ موسیٰ کے نام دربار خلافت سے واپسی کا تاکیدی حکم پہنچا وہ فتوحات ادھوری چھوڑ کر شام واپس چلا گیا۔ اگر ذاتی خواہش اور انا کو قومی اور اسلامی مفاد پہ ترجیح نہ دی جاتی اور اسلام کے اس عظیم فرزند کے بال و پر نہ کاٹے جاتے تو آج دنیا کی تاریخ اس سے مختلف ہوتی۔

تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ جب محمد بن قاسم ہندوستان کی فتوحات میں مصروف تھا۔ اسے ابھی ہندوستان آئے چار برس بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ولید بن عبد الملک کا انتقال ہوا۔ اس کا بھائی سلیمان تخت خلافت پہ بیٹھا وہ بعض اسباب سے حجاج کا مخالف تھا۔ اس نے برسر اقتدار ہوتے ہی حجاج کے اعزا واقربا کو تنگ کرنا شروع کر دیا چونکہ محمد بن قاسم حجاج کا چچا زاد بھائی بھی تھا اور داماد بھی۔ اس لیے وہ سلیمان کے جذبہ انتقام کی بھینٹ چڑھا۔ چنانچہ اس نے کرسی اقتدار سنبھالتے ہی یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا گورنر مقرر کیا اور اسلام کے اس بطل جلیل کو نہ صرف معزول کیا بلکہ حکم دیا کہ اسے پابہ زنجیر دربار خلافت لایا جائے۔ ایسا ہی کیا گیا اور اسلام کا یہ ہیرو جس کی عظمتوں کے سبب ہندو جس کے مجسمے بنا کر پوجتے تھے اسی حالت میں دربار خلافت میں لایا گیا۔ اسے شہر واسط میں محبوس کر دیا گیا۔ اور آخر کار طرح طرح کی تکلیفیں دینے کے بعد اس عظیم انسان کو قتل کر دیا گیا۔

مورخین اور تجزیہ نگار کہتے تھے کہ اگر محمد بن قاسم اس ذاتی تعصب اور خاندانی عصبیت کا شکار نہ ہوتا تو آج ہندوستان بھی مصر وشام اور عراق وفلسطین کی طرح ایک اسلامی ملک ہوتا۔ استثنائی صورتیں تو ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ مخلص قائدین کی عظمتوں کو سلام کرتے ہوئے اس حقیقت کو بیان کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ کوئی ماضی کے قصے اور کہانیاں ہی نہیں یہ

چیزیں ماضی کی بھی ایک حقیقت تھیں اور حال کی بھی ایک حقیقت ہیں کہ ہماری قوم لاکھ بے عمل سہی، مذہب سے دور سہی اور اسلامی تعلیمات سے گریزاں سہی لیکن اسلام اور ایمان کے نام پر کٹ مرنے کو ہمیشہ تیار رہی ہے بلکہ عملی طور پر کٹ مرتی ہے لیکن اس قوم کو ایسے ہی مفاد پرست اور انا پرست قائدین نے تباہ کیا ہے۔

ماضی کی حقیقتوں کو ماننا آسان ہوتا ہے کیونکہ اس کے گرد نفرت یا عقیدت کا ایک ہالہ بن جاتا ہے اس کی ایک تاریخ بن جاتی ہے لیکن حال کے حالات کو سمجھنے کے لئے گہری بصیرت اور غضب کی قوت فیصلہ درکار ہوتی ہے۔ ورنہ ذاتی مفادات اور انا کی تسکین کے لئے ہیرو کو ذلیل کرنے کا مشغلہ اب بھی جاری ہے۔ میدان کی جیتی ہوئی جنگیں میز پہ اب بھی ہاری جاتی ہیں اس لیے نہیں کہ قائدین معاملہ فہم نہیں۔ نہیں ایسا نہیں۔ بہت زیرک ہیں لیکن اپنے مفاد اور اقتدار کے استحکام کے لئے شہیدوں کے خون سے غداری کر دیتے ہیں قوموں کو بیچ دیتے ہیں اور ملکوں کو گروی رکھ دیتے ہیں۔

یہ قوم تو اب بھی پتھروں سے لڑتی ہے۔ سینوں پہ گولیاں کھاتی ہے اس قوم کو قیادت مروا رہی ہے۔ ان کے قاتل وہ قائدین ہیں جنہیں قائدین کہنا قیادت کی توہین ہے۔

جو قیادتیں ملک وقوم کی ساری دولت اپنی ذات کے تحفظ اور بقا پر ہی صرف کر دیتے ہیں۔ جو ملک کے محافظوں کی ساری صلاحیتیں اپنے بچاؤ پر ہی لگا دیتے ہیں۔ جنہیں اپنا دفاع کرتے ہوئے دشمن کی طرف دیکھنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ یقین فرمایئے وہ خدا کے بھی مجرم ہیں اور ملک وقوم کے بھی۔

ایک مشہور حدیث پاک کے مطابق ہر شخص بادشاہ ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ کسی ادارے کا سربراہ اس کا بادشاہ ہے کسی گھر کا سربراہ اس کا بادشاہ ہے علی هذا القیاس ہر شخص بادشاہ ہے۔

اب ہم میں سے ہر شخص کو غور کرنا ہے اپنے گریبان میں جھانک کے دیکھنا ہے کہ کہیں ہمارا کوئی عمل ہماری انا کی تسکین یا مفاد پرستی کے لئے ہماری مملکت کو تباہ تو نہیں کر رہا؟ ہماری

کوئی ضد اور انا پرستی اس کی بنیادوں کو کھوکھلا تو نہیں کر رہی؟ ملک ہے تو ہم ہیں۔قوم ہے تو قوم کے قائدین ہیں ملک نہ رہے تو غالب اور مغلوب، فاتح اور مفتوح کا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا۔ بغداد کی تاریخ بھی شاہد ہے اور اندلس کی بھی۔

ہر بندہ سوچے اگر اس کی ''مملکت'' نہ رہی تو وہ بھی نہیں رہے گا۔

وہ مطمئن کہ سب کی زبان کاٹ دی گئی
ایسی خموشیوں سے مگر ڈر لگے مجھے

(منیر نیازی)

ہاں تو امت کے زوال میں اس کے مفاد پرست لیڈروں کا بڑا ہاتھ ہے ہم نے سوچنا ہے کہ کہیں ہم ایسے مفاد پرست لیڈروں کے اقتدار اور اس کے استحکام کا ذریعہ تو نہیں بن رہے؟ اور ہم ایسے ظالموں کے شر سے امت کو بچانے کے لئے کیا اور کتنی کوششیں کر رہے۔ سوچئے۔ ابھی سوچئے۔ کیونکہ کل سرکار ﷺ کو ان کی امت کے زوال کا جواب دینا ہوگا!

حکمرانوں کی اہل کتاب عورتوں سے شادیاں اور عریانیت

ع آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

عہد فاروقی ہے۔ روم فتح ہوتا ہے۔ مجاہدین نے روم کی حسین وجمیل عورتوں سے شادیاں کرنا شروع کر دیں۔ یہ کوئی ناجائز فعل تو نہیں تھا۔ اسلام نے اس کی اجازت دی ہے لیکن یہ صرف اجازت ہے کوئی قابلِ تحسین امر نہیں ہے۔ اور شاید اجازت بھی اس لیے ہو کہ آسمانی وحی کو ماننے والوں اور مطلق مذہب کے نہ ماننے والوں میں امتیاز واضح ہو جائے۔ لیکن بسا اوقات کسی اعلیٰ مقصد کے لئے اور کسی نقصان سے بچنے کے لئے کسی مریض کو ایک جائز چیز کھانے سے روک دیتا ہے۔ تو جب امیر لشکر کو ان شادیوں کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا میں تمہیں اس وقت تک اس کی اجازت نہیں دے سکتا جب تک میں امیر المومنین حضرت عمرؓ فاروق سے مشورہ نہ کرلوں انہوں نے آپ سے مشورہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا "لوگو! میں اللہ کے حلال کو حرام نہیں کرسکتا اور اللہ کے حرام کو حلال نہیں کرسکتا۔ حلال وہی ہے جسے اللہ نے حلال کیا اور حرام وہی ہے جیسے اللہ نے حرام کیا۔ اہل کتاب عورتوں سے شادی حرام نہیں ہے۔ لیکن میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ عیسائی عورتوں سے شادی نہ کرو۔ کیونکہ بچے تمہارے ہوں گے پلیں گے عیسائی ماؤں کی گود میں۔ تو مجھے خدشہ ہے کہ کہیں عربی تہذیب رومی تہذیب میں گم نہ ہو جائے"۔

آپ کے ہی عہد کا واقعہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ بن الیمان نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا انہوں نے عرض کیا، کیا یہ فعل حرام ہے؟ آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ میرے اس خط کو پڑھ کر اسے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے اس عورت سے اپنا تعلق منقطع کرلو۔ کیونکہ

اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَقْتَدَ بِكَ الْمُسْلِمُوْنَ فَیَخْتَارُوْ اِنْسَاءَ اَھْلِ الذِّمَّةِ وَ کَفٰی بِذَالِكَ فِتْنَةِ نِسَةِ الْمُسْلِیمِین(1)

"مجھے خدشہ ہے کہ مسلمان تمہاری پیروی کرتے ہوئے ذمیوں کی خواتین سے

1۔ کتاب الآثار، راوی امام محمد، صفحہ 75-76

(ان کے حسن و جمال کے سبب) نکاح کرنا شروع کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو مسلمان خواتین کے لئے یہی فتنہ کچھ کم نہیں ہوگا"۔

کیا بصیرت تھی سیدنا فاروق اعظمؓ کی۔ اگر آپ یہ بصیرت افروز فیصلہ نہ فرماتے تو خدا جانے امت مسلمہ کو کن خطرات کا سامنا کرنا پڑتا۔

پھر اگر کوئی عام آدمی کسی اہل کتاب عورت سے شادی کرے تو اور بات ہے لیکن اگر ارباب اقتدار اور حکمران طبقہ اس روش پہ چل پڑے تو یہ اسلام کے خلاف ایک گہری سازش ثابت ہوتی ہے۔

امت مسلمہ کے زوال کے اسباب میں سے ایک سبب یہ تھا کہ جب کسی نے کسی غیر مسلم خاتون سے شادی کی تو وہ عورت اسلام کے لئے اور ملت اسلامیہ کے لئے ایک عظیم فتنہ ثابت ہوئی۔

اپنی خواہشات کو اسلام کے مطابق ڈھالنا تو کمال ایمان ہے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اسلام سے جواز اختیار کرنا یہ اپنی خواہش کی پیروی ہے نہ کہ اسلام کی۔

جب حکمرانوں میں تعیش کا رجحان آتا ہے سو پھر وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور اسلام سے اس کا کوئی جواز ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اہل کتاب عورتوں سے شادی بھی اسی نوعیت کا ایک مسئلہ ہے۔

ان شادیوں سے امت کو جو نقصان پہنچا۔ اس کی ایک واضح مثال سلطنت عثمانیہ کا زوال ہے۔ مؤرخین نے اجنبی عورتوں سے شادیوں کو اس سلطنت کا ایک مرکزی سبب قرار دیا ہے۔ مؤرخین لکھتے ہیں۔

"سلطنت عثمانیہ کے زوال کا دوسرا سبب یہ ہے کہ سلاطین شروع سے ہی شادی بیاہ کے معاملہ میں غیر محتاط تھے۔ یعنی انہوں نے غیر مسلم عورتوں سے نکاح کرنے اور ان کو محل کے تمام معاملات میں دخیل بنا کر رکھنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی چنانچہ اورخان نے کنتا کوزین کی لڑکی تھیوڈولا سے شادی کی اور اسے مذہب عیسوی پر ہی قائم رہ کر زندگی بسر

کرنے کی اجازت دی اورخان کے بعد اس کے جانشیں سلطان مراد اوّل نے بلغاریہ کے بادشاہ سیسمان کی لڑکی سے شادی کی۔ سلطان بایزید ایلدوم نے سرویا کے بادشاہ کی بہن ڈیسپیناہ سے نکاح کیا۔ پھر سلیمان اعظم کے نکاح میں جو روسی خاتون حرم سلطان تھی۔ وہ دولتِ عثمانیہ کے لئے بہت سی مصیبتوں کا سبب بنی۔ یہ تو وہ شہزادیاں تھیں۔ جو محل سلطانی میں بیگم بن کر رہتی تھیں۔ اور جو سلطنت کے معاملات میں دخل دینا اپنا حق سمجھتی تھیں۔ ان کے علاوہ جو غیر مسلم باندیاں اور کنیزیں محل میں دخل رکھتی تھیں ان کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے چنانچہ استاد کرد علی دولتِ عثمانیہ کے اسباب زوال پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وَلَعَلَّہٗ یَعدُ مِنَ الْاَسْبَابِ الْجَوْہَرِیَّۃِ فِیْ اِنْحَاطِ تَغَیُّرِ الدَّمِ السُّلْطَانِی فِیْ آلِ عُثْمَانَ تَغَیُّراً کَبِیْراً لِکَثْرَۃِ مَا اَقْتَنُوا مِنَ السَّرَارِیْ الْجَوَارِیْ النَّصْرَانِیَّاتِ(1)

''آل عثمان کے انحطاط کا ایک جوہری سبب یہ تھا۔ کہ عیسائی باندیوں اور کنیزوں کی کثرت کی وجہ سے سلطانی خون بہت زیادہ بدل گیا تھا''۔

چنانچہ سلطان سلیم آدھا روسی تھا کیونکہ اس کی ماں روس کی باشندہ تھی۔ محمد ثالث آدھا اطالوی تھا اس لیے کہ اس کی والدہ شہر وینس (VENICE) کی رہنے والی تھی۔ اس طرح عثمان ثانی، مراد رابع اور ابراہیم اوّل نصف رومی تھے۔ ان سب کی مائیں رومی خواتین تھیں۔

غیر مسلم خواتین کی محل میں کثرت کا نتیجہ وہی ہوا جو بنو عباس کے عہد میں رونما ہو چکا تھا۔ یعنی جب تک سلاطین جری، بہادر اور بیدار مغز پیدا ہوتے رہے۔ ان غیر مسلم خواتین کے اثرات کچھ زیادہ نمایاں نہیں ہوئے۔ لیکن جب سے سلیم ثانی، مراد ثالث پر قابض ہونے لگے تو عنان سلطنت بھی انہیں جواری وسراری کے ہاتھوں میں منتقل ہونے لگے۔(2)

غرناطہ میں بھی یہی ہوا تھا ادھر عیسائیوں کے خلاف جنگ جاری تھی ادھر سلطان حسن کی ایک عیسائی جاریہ اپنی سازشوں میں مصروف تھی۔ نوبت خانہ جنگی تک پہنچی اور مسلمانوں

1۔ الاسلام والحضارۃ العربیہ، جلد 2، صفحہ 499

2۔ مسلمانوں کا عروج وزوال، صفحہ 58-157

کو بے پناہ نقصان اٹھانا پڑا۔

تاریخ سے ایک دو مثالیں تو بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ دنیا کی تاریخ اس پے شاہد ہے کہ جب بھی شاہان وقت ''عورت کے فتنہ'' میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تو سلطنت زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ کیونکہ لوگ تو شاہوں کے دین پے ہوتے ہیں۔ اس ڈگر پے چلنے سے نہ صرف بادشاہ اپنے اصلی مقصد سے غافل ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی رعایا بھی انہیں کی ڈگر پے چل نکلتی ہے۔ عصر حاضر میں بھی بادشاہوں کے اسی رویہ اور فکر کے سبب ذرائع رسل و رسائل اور میڈیا فحاشی و عریانی کا سیلاب لے آئے ہیں اور قوم ان میں ایسی مگن ہوئی ہے کہ بھولتی جا رہی ہے کہ ہماری کوئی ذمہ داری بھی ہے۔

کہا جا سکتا ہے آج جو قومیں فاتح اور غالب ہیں کیا ان کے ہاں یہ فتنہ نہیں ہے۔ کیا وہاں میڈیا نے یہ اودھم نہیں مچا رکھا۔ کیا وہاں شرم و حیا کی قدریں پامال نہیں کی جاتیں؟

اس کے متعلق گذارش یہ ہے کہ واقعی وہاں بھی یہ چیزیں ہم سے بھی زیادہ ہیں۔ بلکہ ہماری ہاں بھی یہ چیزیں وہاں سے ہی پہنچی ہیں۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ ان لوگوں کی دوسری صفات نے ان کی اس کمزوری کو پورا کر دیا ہے۔ ان کی جدوجہد، سائنسی انکشافات، ملک و قوم سے تعصب کی حد تک محبت اور ہوس کی حد تک فتح کا جذبہ اور بہت سی دوسری چیزیں ان میں ایسی پائی جاتی ہیں جو ان کی اس کمی کو پورا کر دیتی ہیں۔ جب کہ ہم ان چیزوں میں تو ان کی ''پیروی'' میں فخر محسوس کرتے ہیں لیکن ان کی دوسری خوبیاں اپنانے کے قریب بھی نہیں جاتے۔ میں یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ خوبیاں اعتدال میں رہتے ہوئے ہماری تھیں جو انہوں نے اپنائی ہیں۔

ع مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور

آپ فرض کریں ایک طالب علم پوری رات پڑھتا ہے اور صبح نماز کے بعد سو جاتا ہے اور ظہر کے وقت جاگتا ہے اور امتحان میں اعلیٰ پوزیشن لیتا ہے۔ اور دوسرا طالب علم پوری رات بھی سوتا ہے اور پھر تقلید کرتے ہوئے ظہر تک بھی سوتا ہے۔ ظاہر ہے یہ تو امتحان میں

ناکام ہوگا۔ اب اگر یہ کہے کہ میں بھی اسی کی طرح ظہر تک سوتا ہوں تو مجھے پوزیشن کیوں نہیں ملی؟ تو اسے یہی کہا جائے گا کہ بھئی تو اس کی طرح سویا تو ضرور ہے لیکن اس کی طرح راتوں کو جاگا نہیں ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شرم و حیا کا لبادہ اتارنا ہماری پستی کا سبب نہیں کیونکہ یہ تو یورپ میں ہم سے بھی زیادہ ہے انہیں یہی کہا جائے گا کہ تم نے ان کی اس بات کو تو اپنایا ہے لیکن ان کی دوسری خوبیوں کو نہیں اپنایا جو ان کے عروج کا سبب ہیں۔

ایمان نے عفت و عصمت اور شرم و حیا کی جو راہیں متعین کی تھیں۔ ان سے انحراف نے امت مسلمہ کو بے تحاشا نقصان پہنچایا اور پہنچا رہا ہے۔ کیونکہ جب نظریں بھٹک جائیں تو دل بھٹک جاتا ہے اور دل بھٹک جائے تو پورا وجود اس کا غلام ہے اور قومیں افراد سے ہی بنتی ہیں۔ ؎

نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی
کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو

(اقبال)

اخلاق عالیہ سے محرومی

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(اقبال)

خُلق حسنِ باطن کو کہا جاتا ہے بعثت انبیاء کا بنیادی نکتہ اخلاق کو سنوارنا ہی ہے اگر یہ کہا جائے کہ مقاصد رسالت کو ایک جملے میں بیان کرو تو ہم کہیں گے کہ وہ مکارم اخلاق کی تکمیل کرنا ہے۔اس پر دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ بیان ہے۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاَ تَمِمُ مَکَارِمع الاَ خْلَاقِ(1)

''میں صرف حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں''۔

تمام عبادات کا مقصد و مدعا بھی حسنِ اخلاق کو سنوارنا ہے حضرت امام حسینؓ فرماتے ہیں الخلق حسن العبادۃ۔ کہ خُلق حسن عبادت ہے بقول اقبال

یہ ذکر نیم شبی مراقبے یہ سرور
تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اخلاق حسنہ کوئی افراد کا پرسنل اور انفرادی معاملہ نہیں بلکہ یہ قوموں کے عروج وزوال میں ایک بہت بڑا کردار ادا کرتا ہے۔دنیا کی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ جب بھی کوئی قوم اعلیٰ اخلاق سے محروم ہو جاتی ہے تو وہ زوال کا شکار ہو جاتی ہے اخلاق سے گری ہوئی قوم کو کوئی بھی مادی طاقت ذلت اور رسوائی سے نہیں بچا سکتی ہے۔

علامہ ابن خلدون مقدمہ میں اسی پس منظر میں لکھتے ہیں۔

''قوموں کی ترقی نہ مادی طاقت کی فراوانی سے ہوتی ہے اور نہ صرف عقل و دماغ کی ترقی سے بلکہ اس کے لیے اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے''۔

ڈاکٹر لیبان کی رائے بھی ملاحظہ ہو۔

''ہر قوم میں انقلابات صرف اخلاق کے ذریعے ہوئے ہیں اور وہی ان کے مستقبل کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں........ قومی زندگی کی بنیاد صرف اخلاق کے ستون پر قائم ہے۔عقل اور دماغ کا حصہ ان میں بہت کم ہے........ جب کسی قوم کا اخلاقی

1۔کنز العمال،جلد2،صفحہ5

شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے تو وہ مرجاتی ہے۔ اور اخلاقی اوصاف میں اسی قدر تنزل پیدا ہوتا ہے جس قدر عقل اور دماغ میں ترقی کرتی ہے........ اعلیٰ معاشرتی نظام مذہب کی بنیاد ہے۔ پھر سلطنتوں کی بقا صرف اخلاق کی سطح پر قائم ہے۔ عقل کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ عقلی انقلابات میں ذہانت دوسرے درجے کا انقلاب ہے اصل بنیاد صرف اخلاق ہے"۔(1)

قرآن حکیم جن قوموں کی تباہی کا ذکر کرتا ہے اس کی وجہ بھی کسی اخلاقی گراوٹ کو ہی بیان کرتا ہے۔ نہ کہ کسی مادی میدان میں پیچھے رہ جانے کو۔ قرآن مجید شاہد ہے کہ قوم لوطؑ کو اس لیے تباہ نہیں کیا گیا کہ وہ فلسفہ نہیں جانتی تھی بلکہ اس لیے کہ انہوں نے انقضائے شہوت کا ایک غیر فطری طریقہ اختیار کر لیا تھا اور اس قدر بے حیائی کے رسیا ہو گئے تھے کہ علی الاعلان اور کھلے بندوں اس فعل شنیع کے ارتکاب پر فخر محسوس کرتے تھے۔ قوم شعیبؑ کو اس لیے صفحۂ ہستی سے نہیں مٹایا گیا کہ علم و دانش کے بزرجمہر نہیں رکھتے تھے بلکہ اس لیے انہیں تباہ کیا گیا کہ وہ ناپ تول میں کمی کر کے مخلوق پہ ظلم ڈھاتے تھے۔ بڑے بڑے محل اور عالیشان عمارتیں تعمیر کرنے والی قوم عاد اس لیے تباہ نہیں کی گئی کہ وہ مادی ترقی میں کسی سے پیچھے تھے بلکہ انہیں اس لیے تاخت و تاراج کیا گیا کہ وہ کمزوروں کو کچل دیتے تھے اور حقوق العباد سے غافل ہو کر تمام تر توجہ سامان تعیش کے حصول میں صرف کر رہے تھے

دور جانے کی ضرورت نہیں ظہور اسلام کے وقت قوم یہود کو جو مقام اور مرتبہ حاصل تھا وہ محتاج بیاں نہیں لیکن پھر وہ ذلیل و خوار ہو گئی لیکن کس لیے؟ کیا ان کے پاس مال و دولت کی کمی آ گئی تھی؟ کیا وہ علم میں پیچھے رہ گئے تھے؟ نہیں۔ بالکل نہیں۔ وہ صرف اس لیے زوال کا شکار ہوئی کہ ان کی عوام نے علماء اور مذہبی مقتداؤں کو "رب" بنا لیا تھا۔ سوچ و بچار سے کام لینا چھوڑ دیا تھا وہ پوری قوم سود خور ہو گئی تھی اور ان کے علماء نے جلب زر کے مکروہ دھندے استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے۔ اور انہیں سوائے پیسہ اکٹھا کرنے کے اور کسی

1۔ انقلاب امم بحوالہ انجام التاریخ صفحہ 575

چیز سے غرض نہیں رہی تھی اگر چہ اس کے لیے کتنے بڑے حق کو جھٹلانا پڑے اور کتنی بڑی صداقتوں کا انکار کرنا پڑے۔

یقین فرمایئے جس قوم کے عوام اپنی ''حسب توفیق'' کرپٹ ہوں اور حکمران و مقتدا اپنی ''حسب توفیق'' کرپٹ ہوں۔ اللہ کے قانون میں اس قوم کا مقدر صرف زوال اور نصیب صرف ذلت ہوتا ہے۔

یہ راز اب کوئی راز نہیں ہے، اہل چمن سب جان گئے
ہر شاخ پے الو بیٹھا ہے انجام گلستان کیا ہوگا

فرض کریں ایک گھر جس میں بیوی میاں کو لوٹنے کے چکر میں رہتی ہو اور میاں بیوی کو دھوکا دینے کے لئے کمربستہ۔ بھائی بہن کو دھوکا دیتا ہو اور بہن بھائی کو، جس گھر میں ہر بندہ لوٹنے کے چکر میں ہو اور دوسرے کو دھوکا دینے کے لئے تیار ہو کیا اس گھر میں خوشحالی آسکتی ہے؟ کیا اس گھر میں امن وسکون کا دور دورہ ہوگا؟ ظاہر ہے جواب نفی اور صرف نفی میں ہے جب ایک چھوٹا سا گھر اگر اخلاق عالیہ سے محروم ہو ترقی نہیں کرسکتا تو ملک اور قوم اگر اخلاق کی طاقت سے تہی دست ہوں تو کیسے ترقی کی راہوں پے گامزن ہو سکتے ہیں؟

اخلاق صرف ایک لفظ نہیں بلکہ بے پناہ طاقت رکھنے والی ایک حقیقت ہے۔ فتح مکہ کے وقت جب حضور سید عالم ﷺ نے خون کے پیاسے دشمنوں کو معاف کر دیا تھا۔ تو کون سی وہ طاقت تھی جس نے اسلام کے ان کٹر دشمنوں کو گروہ اسلامی کے وفادار افراد بنا دیا تھا؟ اور جب حضور ﷺ عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے تو کس چیز نے ایک ہزار افراد کو حلقہ بگوش اسلام کر دیا تھا؟ وہ قوت اور طاقت اخلاق اور صرف اخلاق تھی؟

کچھ ان کے خلق نے کر لی کچھ ان کے پیار نے کر لی
مسخر اس طرح دنیا شہہ ابرار نے کر لی

گویا جو دلیل کی قوت سے نہ جھکے وہ اخلاق کی قوت سے جھک گئے۔ جو کام دلیل نہ کر

سکی وہ اخلاق نے کر دیا؟ جب اسلام کے سفیر صوفیاء کرام برصغیر میں آئے تھے تو ان کے پاس کوئی لشکر نہیں تھے اور نہ ہی وہ کسی قسم کی افرادی قوت لے کے آئے تھے۔ ان کے پاس صرف اخلاق کی طاقت تھی جس کے سبب لوگ اسلامی قومیت کے فرد بنتے جاتے تھے۔

کیا تاریخ اس پے گواہی نہیں دے رہی کہ رومن قوم اگر چہ عقلی اور مادی لحاظ سے اپنے آباؤ اجداد سے زیادہ طاقت ور تھی لیکن چونکہ وہ اپنی آبائی وراثت عزم و استقلال، جرات، بہادری اور جہد مسلسل سے محروم ہوگئی تھی اس لیے تمام تر مادی ترقی بھی تنزل سے نہ بچا سکی برصغیر پاک و ہند میں ہی غور فرمایئے کہ کیا برصغیر کے تیس کروڑ باشندوں کو ساٹھ ہزار انگریزوں نے محض اخلاق کی بنا پر غلام نہیں بنا لیا تھا؟ کیا ہمارے سادہ لوح لوگ آج بھی انگریزوں کے حسنِ اخلاق کے گرویدہ نہیں ہیں؟ حالانکہ انگریز ذاتی طور پر بے شک انتہائی امانت و دیانت کا مظاہرہ کریں۔ بحیثیت قوم وہ انتہائی متعصب، تنگ نظر، سرکش اور ظالم ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب جذبہ قومیت کے تحت اپنایا گیا اخلاق اتنی طاقت رکھتا ہے تو خلق خدا کو محض خدا کے قانون کے مطابق چلانے کے لئے اخلاص سے بھرپور اخلاق کتنی بڑی طاقت رکھے گا؟

آج پوری دنیا میں مسلمان اس لیے تنزل اور پستی کا شکار نہیں ہیں کہ ان کے پاس مال و دولت نہیں، یا افرادی قوت نہیں، یا وسائل قدرت نہیں، یا ذہین افراد نہیں یا بہادر اور جری افواج نہیں۔ فیاض ازل نے ہر چیز بڑی کثرت سے انہیں عطا فرمائی ہے۔ قدرت کی عطا کردہ اتنی طاقتوں کے باوجود بھی یہ تنزل کا شکار کہیں اس لیے تو نہیں کہ

ان کے خلیفہ ڈکٹیٹر ہیں انہیں ہر چیز سے بڑھ کر اپنا اقتدار محبوب ہے وہ اسے بچانے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں افراد کی قربانی دینی پڑے، قوم کی یا ملک کی وہ کسی چیز سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں۔ وہ جذبہ حب الوطنی کی نعمت سے محروم ہیں وہ اپنے مفادات کے لئے اقتدار کی سیڑھی استعمال کرتے ہیں۔

ان کے عوام حکمرانوں کے چناؤ میں ملکی مفاد سے بڑھ کر ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگر حکمران ظلم کرتے ہیں۔ ملکوں اور قوموں کو گروی رکھ دیتے ہیں تو عوام بھی اپنے مفادات کی خاطر ان سے حسب استطاعت تعاون کرتے ہیں چوری چوری ہوتی ہے وہ ایک تنکے کی ہو یا ایک لاکھ کی۔

ان کے علماء و مشائخ اس مقدس منصب کو جلب زر کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ استثنائی صورتیں تو ہر قانون میں ہوتی ہیں۔ بات تو اکثریت کو دیکھ کے کی جاتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ یہ طبقہ اس مقدس منصب کو صرف اپنے مفادات کے لئے استعمال کر رہا ہے نباض ملت حضرت اقبال نے کتنی سچی بات کہی تھی۔

تیرے بھی صنم خانے ، میرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی دونوں کے صنم فانی
مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملاں ہیں کیوں ننگ مسلمانی

ان کی سیاستدان نعروں اور چکر بازی کی سیاست کرتے ہیں۔ وہ صرف جذباتی دعوے کر کے اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں۔ وہ اپنے مخالف کی صحیح بات کو غلط کہتے ہیں۔ وہ اپنی پارٹی کا ہر جائز اور ناجائز کام کرتے ہیں۔ ان کے لیے جائز اور ناجائز کا معیار حق نہیں بلکہ پارٹی کے مفادات ہیں۔

ان کا ہر فرد کسی نہ کسی روپ میں اپنے اور صرف اپنے مفادات کے حصول کے لئے کوشاں ہے۔ اخلاص، وفاداری، ایثار، جذبہ حب الوطنی، امانت و دیانت، تقوی و تدین، خوف خدا، فکر آخرت، اور قومی اور ملکی مفادات کو ذاتی مفادات کو ترجیح دینا کے اخلاق عالیہ سے محروم ہو چکے ہیں۔ جب کوئی بھی قوم ان صفات سے محروم ہو جائے تو وہ تنزل سے کیسے بچ سکتی ہے

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

(اقبال)

اخلاق کی وسعت

ممکن ہے بادی النظر میں یہ بات عجیب سی محسوس ہو کہ اخلاق کا عروج سے کیا تعلق اور اخلاق سے محرومی کا زوال سے کیا واسطہ اس سوال کا جواب اس وقت تک واضح نہیں ہوگا جب تک اخلاق کے مفاہیم اور اس کی وسعت واضح نہ ہو جائے۔ جب اخلاق کی وسعتیں اور اس کے متعدد زاویے واضح ہو جائیں گے۔ تب یہ حقیقت عیاں ہو جائے گیا کہ اخلاق صرف کوئی ذاتی یا انفرادی معاملہ نہیں ہے بلکہ اخلاق عالیہ کو اپنانے والی قومیں نا قابل تسخیر قوتوں کی حامل ہو جاتیں ہیں اور جو قومیں اخلاق سے محروم ہو جائیں وہ ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرتیں ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ خلق کے معانی اور مفاہیم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَلْخُلُقُ مَلَکَۃٌ نَفْسَانِیَّۃٌ یَسْھُلُ عَلَی الْمُتَّصِفِ بِھَا الْاِتْیَانُ بِالْاَفْعَالِ الْجَمِیْلَۃِ۔ وَ اعْلَمْ اَنَّ الْاِتْیَانَ بِالْاَفْعَالِ الْجَمِیْلَۃِ غَیْرٌ وَ سُھُوْلَۃُ بِھَا غَیْرٌ فَالْاَ حَالَۃُ الَّتِیْ بِاِعْتِبَارِھَا تَحْصَلُ تِلْکَ السُّھُوْلَۃُ ھِیَ الْخُلُقُ وَ یَدْخُلُ فِیْ حُسْنِ الْخُلُقِ التَّحَرُّزُمِنَ الشُّحِ وَالْبُخْلِ وَ الْغَضَبِ۔ وَ التَّشَدُّدُ فِیْ الْمُعَامَلَاتِ و التَّحَبُّبُ اِلَی النَّاسِ بِالْقَوْلِ وَ الْفِعْلِ وَ تَرْکِ التَّقَاطُعِ وَ الْھِجْرَانِ وَ التَّسَاھُلِ فِیْ الْعُقُوْدِ کَالْبَیْعِ وَ غَیْرِہٖ وَ التَّسَمُّحُ بِمَا یَلْزَمُ مِنْ حُقُوْقِ مَنْ لَہٗ نَسَمٌ اَوْکَانَ صِھْرًالِہٖ وَ حَصَلَ لَہٗ حَقٌّ آخَرٌ(1)

1۔ تفسیر کبیر، جلد 30، صفحہ 71

"خلق نفس کے اس ملکہ کو کہا جاتا ہے جس سے متصف انسان کے لئے اچھے کاموں کا بجالانا آسان ہو جاتا ہے۔ اور جان لیجئے کہ اچھے کاموں کا بجالانا اور چیز ہے اور انہیں آسانی سے بجالانا اور چیز ہے۔ پس وہ ملکہ جس کے سبب انسان اچھے کاموں کو آسانی سے بجالاتا ہے خُلق کہلاتی ہے اور خلق میں یہ چیزیں شامل ہیں۔ ہوس، بخل اور غضب سے بچنا، معاملات میں تشدد سے پرہیز کرنا، قول اور فعل میں لوگوں سے محبت آمیز سلوک کرنا قطع تعلقی سے بچنا، بیع وشرا اور دیگر معاملات میں نرمی برتنا۔ رشتہ داروں کے ساتھ فیاضی اور دریادلی کا سلوک کرنا"

قرآن وسنت میں اخلاق عالیہ کی جن مختلف نوعیتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ آیئے ان کی ایک اجمالی فہرست پر نظر ڈالیں۔ اور پھر ان کا اپنے اوپر انطباق کریں اور پھر غور کریں کہ امت کے زوال میں ہر فرد کا کتنا حصہ ہے۔

قرآن وسنت سے اخلاق کی ایک اجمالی فہرست ملاحظہ ہو،

ہر موقع پر اور ہر حالت میں سچ بولنا۔

اپنے علم کے مطابق عمل کرنا۔

عفوودرگزر کا وطیرہ اپنانا۔

ہر حال میں اللہ کی ذات پے توکل کرنا۔

راہِ خدا میں اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے کوشاں رہنا۔

اللہ کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں لٹانا۔

بخل سے بچنا۔

اپنے مالوں میں محروموں کے حق کو سمجھنا اور اسے ادا کرنا۔

محبت کی بنیاد ایمان کو بنانا۔

کفر سے کوئی سمجھوتہ نہ کرنا۔

اسراف اور فضول خرچی سے بچنا۔

میانہ روی اختیار کرنا۔

یتیم، مسکین، قربت داروں اور پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنا۔

غلاموں اور قیدیوں سے نیکی کرنا۔

عجز و انکساری اختیار کرنا۔ جاہلوں سے نہ الجھنا۔

جھوٹی گواہی نہ دینا۔ قتل نفس سے بچنا۔

امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کرنا۔

وعدوں اور معاہدوں کو پورا کرنا۔

والدین کی خدمت اور اطاعت کرنا۔

کسی بھی خبر کو بغیر تحقیق کے نہ ماننا۔

دو لڑے ہوؤں میں صلح کرانا۔

ظالم فریق کو پوری قوت سے روکنا۔

کسی کا تمسخر نہ اڑانا۔

غیبت نہ کرنا۔

نام نہ بگاڑنا۔

تجسس نہ کرنا۔

کسی کو برے نام سے نہ پکارنا۔

گواہی نہ چھپانا۔

سچی گواہی دینا۔

اکل حلال کا اہتمام کرنا۔

تجارت کرنا گداگری سے بچنا۔

انسانی جان کا احترام کرنا۔

یتیموں کی کفالت کرنا۔

ان کے جان و مال کی نیک نیتی سے حفاظت کرنا۔
ناپ تول میں کمی نہ کرنا۔ نظروں کو نیچا کرنا۔
بدکاری کے قریب نہ جانا۔
ستر اور حجاب کا اہتمام کرنا۔
نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا۔
برائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرنا۔
ایثار و تحمل کی صفات کو اپنانا۔
بدی کے مقابلہ میں نیکی کرنا۔
اگر بدلہ بھی لیا جائے تو حد سے نہ بڑھنا۔
دشمنوں سے بھی عدل و احسان سے کام لینا۔
بحث و مباحثہ بھی آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کرنا۔
صدقہ و خیرات کے بعد احسان نہ جتلانا۔
اور نہ ہی کسی قسم کی اذیت دینا۔
کسی بھی طریقہ سے کسی کا مال ناحق طرز پر نہ لینا۔
میاں، بیوی دونوں کے حقوق کو ماننا اور ان کا ادا کرنا۔
ناحق قسمیں نہ کھانا۔ کسی پے تہمت نہ لگانا۔
عفتوں اور عصمتوں کی حفاظت کرنا۔
کپڑوں کی پاکیزگی اور طہارت کا خیال رکھنا۔
شراب، جوا اور ان جیسی دیگر برائیوں سے بچنا۔
میدان جنگ میں ڈٹ جانا۔
دشمن کے مقابلہ میں ہمہ وقت چوکنے رہنا۔
جو تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑنا۔

چھوٹوں پہ رحم کرنا اور بڑوں کا احترام کرنا۔
اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرنا جو اپنے لیے پسند کرنا۔
اپنی خواہشات کو وحی کے تابع کرنا۔
کسی فریادی کو فریاد رسی کرنا۔
اپنے بھائی کو خندہ پیشانی اور کشادہ روئی سے ملنا۔
راستے سے تکلیف دہ چیز کا اٹھا دینا۔
کسی بھی مسلمان بھائی کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنا۔
دوسروں کی پردہ پوشی کرنا۔
لوگوں کے نفع اور بھلائی کے لئے کوشش کرنا۔
لڑائی میں صلح کرنے میں پہل کرنا۔
عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرنا۔
دین کے معاملات میں تقشف اور انتہا پسندی سے بچنا۔
ملاوٹ نہ کرنا۔
کسی کی کم علمی یا ناواقفیت سے فائدہ اٹھا کر اسے دھوکا نہ دینا۔
تجارت امانتداری سے کرنا۔
دین کا جو علم کسی کے پاس ہے اسے دوسروں تک پہنچانا۔
رضائے الٰہی پانے کے لئے جہد مسلسل اور سعی پیہم کا راستہ اختیار کرنا وغیرہ۔

قرآن وسنت میں اخلاق عالیہ کی اتنی تفصیل کی گئی ہے کہ ان کے سامنے یہ مختصر سی فہرست وہی حیثیت رکھے گی کہ

ع جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہو گیا محدود

تاہم انسانی قدروں کو رفعتیں بخشنے کے لئے قرآن وسنت کی یہ تعلیمات مینارہ نور ہیں آیئے اپنے گریبانوں میں جھانکیں، اپنی شب و روز کی کاوشوں پر غور کریں کہ کیا ہم

ان اخلاق کو اپنائے ہوئے ہیں۔ یاد رکھیں قومیں آسمانوں سے لشکروں کی شکل میں نہیں اترتیں بلکہ افراد کے مجموعہ کو ہی قوم کہا جاتا ہے بقول مفکر اسلام ۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اگر ہماری ساری کوششیں اپنی ذات، اپنے کاروبار اور اپنے بچوں کی بہتری کے لئے ہی صرف ہو رہی ہیں اگر ہم اپنے مفادات کے لئے دوسروں کو دھوکا دینے، ظلم کرنے اور لوٹنے میں ہی لگے ہوئے ہیں۔ تو ہم بھی امت کے زوال میں برابر کے شریک ہیں۔ بادشاہ اپنا جواب دیں گے اور رعایا اپنا

اگر خُلق مضبوط ہو تو پھر اپنے مفادات کے لئے ملکوں اور قوموں کو بیچا نہیں جاتا۔ مسلمان بھائیوں پے ہوتے ہوئے ظلم وستم پر نہ ہی خاموش بیٹھا جاتا ہے اور نہ ہی اسے سیاسی مقاصد کے لئے سیڑھی بنایا جاتا ہے۔ پھر ملک وقوم کے وسائل اپنے تحفظ کے لئے نہیں قوم اور دین کے تحفظ کے لئے صرف کیے جاتے ہیں۔

مادی کمزوریاں اخلاقی قوت سے پوری کی جاتی ہیں لیکن اخلاق سے محروم قوموں کو زوال کی پستیوں میں گرنے سے کوئی نہیں بچاسکتا۔

وہ لوگ جنہیں ہم کافر کہتے ہیں جن کے ذکر سے ہم حقارت اور نفرت محسوس ہوتی ہے جو خدا کے بھی منکر ہیں اور آخرت کے بھی جو کافر بھی ہیں اور مشرک بھی۔ کبھی آپ نے غور فرمایا وہ اپنی ملک وقوم سے کتنے مخلص ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں ان میں سے کچھ لوگ من حیث القوم دوسری قوموں کے لیے ظالم بھی ہیں اور جابر بھی۔ لیکن اپنی قوم اور ملک کی حد تک وہ اعلیٰ صفات اور اخلاق کا بہترین نمونہ پیش کرتے ہیں۔ کیا جو پاکستانی امریکہ میں کچھ وقت گزار کے آتا ہے وہ اس ملک کے نظم وضبط، قانون کی حکمرانی، حق دار کو اس کا حق ملنا، قانون نافذ کرنے والے اداروں کا اعلیٰ خلق اور وہاں امن وسکون کی فراوانی کے گن نہیں گاتا۔ کیا اتنی بڑی مملکت کا صدر ٹی۔ وی پے آ کر اپنے اوپر کیئے گئے اعتراضات کے

جوابات نہیں دیتا؟ کیا اسی دور میں ایسا نہیں ہوا کہ جب برطانیہ کے وزیراعظم نے اپنے بچوں کو ٹیوشن پڑھانے کے لئے ٹیوٹر رکھا۔ تو محکمہ تعلیم عدالت میں چلا گیا کہ وزیراعظم صاحب ہمارے نظام تعلیم پہ اعتماد نہیں کرتے یا تو سب کے بچوں کے لیے ٹیوٹر کا انتظام کیا جائے یا انہیں ٹیوشن ختم کر دینی چاہیے کیونکہ اس میں ہمارے نظام تعلیم کی توہین ہے اور غریب بچوں کی حوصلہ شکنی بھی اور وزیراعظم کو ان کی یہ بات ماننی پڑی۔

کیا ہمارے ملکوں میں اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے؟ اگر وہ صرف دنیا کے لیے اور قومی وملکی جذبہ کے تحت ان اعلیٰ انسانی اقدار کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور انگریز نے اخلاق کے بل بوتے پر ہی ہندوستان میں قدم جمائے تھے۔ تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم جو آخرت کو ماننے والے ہیں۔ خدا پر ایمان رکھنے والے ہیں اور پیکر اخلاق ﷺ کے امتی ہونے کے باوجود ایک دوسرے کو دھوکا دینے، ملک وقوم کو لوٹنے اور صرف شکم پروری کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں ہمارے اس رویئے نے بحیثیت قوم تو ہمیں رسوا کر ہی دیا کہیں ہماری یہ روش دین کے بارے میں تو شکوک وشبہات پیدا نہیں کر رہی؟ کہیں ایسا تو نہیں ہو رہا کہ

ع امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں

"ہم اخلاق سے محروم قوم کو ایک یورپین مورخ کے اس تجزیہ پر غور کرنا چاہئے" اسلام کو اس لیے زوال شروع ہوا کہ انسانیت کو ان لوگوں کی صداقت میں شبہ ہونے لگا جو دین جدید کی نمائندگی کر رہے تھے"۔(1)

ہم اپنے بھائیوں، معاشرہ اور قوم کے ساتھ جو رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ان پاکباز ہستیوں سے معذرت کے ساتھ جو دین سے بھی محبت رکھتے ہیں اور وطن سے بھی اور جن کے نفوس قدسیہ کی برکتوں سے یہ ملک چل رہا ہے اور ہماری پردہ پوشی ہو رہی ہے حالت یہ ہے کہ ہر شخص "حسب توفیق" لوٹ رہا ہے بادشاہ اپنی توفیق کے مطابق اور رعایا اپنی توفیق کے مطابق۔

1۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، صفحہ 166

لیکن ملک وقوم کی محبت اور اخلاق عالیہ کے اظہار کے پس منظر میں ذرا کافروں کی بھی ایک مثال سن لیں اور پھر اپنے حالات پہ اسے منطبق کریں۔

ع شاید کے اتر جائے تیرے دل میں میری بات

مولانا وحید الدین خان لکھتے ہیں۔

"26 اپریل 1991ء کو جناب عبدالقادر خان صاحب سے میری ملاقات ہوئی وہ بمبئی میں رہتے ہیں۔انہوں نے بتایا کہ وہ بین الاقوامی نمائش (EXP070) کو دیکھنے کے لئے 1970 میں جاپان (ٹوکیو) گئے تھے وہاں وہ ایک ہفتہ تک رہے۔

وہ اپنے گروپ کے ساتھ ٹوکیو ائر پورٹ پر اترے تو وہاں کچھ جاپانی باشندے پہلے سے موجود تھے۔انہوں نے پیش کش کی کہ آپ میں سے جو صاحب ہمارے ساتھ قیام کرنا پسند کریں ان کو ہم اپنے گھر لے جانے کیلئے تیار ہیں۔عبدالقادر خان صاحب جاپانیوں کو قریب سے دیکھنا چاہتے تھے چنانچہ اس پیش کش کو قبول کرتے ہوئے وہ ایک جاپانی کے ساتھ چلے گئے۔

عبدالقادر صاحب کو ایک ہفتہ تک اس جاپانی خاندان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔دن کا بیشتر وقت باہر نمائش دیکھنے میں گزرتا۔شام کو وہ جاپانی کے گھر آجاتے اور رات اس کے ہاں گزارتے تھے چونکہ جاپانی نے اپنے گھر ٹھہرانے کے لئے کوئی معاوضہ نہیں لیا تھا اُن کو خیال ہوا کہ وہ انہیں کوئی تحفہ دیں چنانچہ انہوں نے ٹوکیو میں جاپانی ساخت کا ایک کیمرہ خریدا اور اس کو اپنے میزبان کے بچے کو بطور تحفہ پیش کیا۔

جاپانی میزبان نے تحفہ قبول کرلیا۔اس کے بعد اس نے کہا کہ یہ کیمرہ آپ نے جہاں سے خریدا ہے۔اس نے آپ کو اس کی رسید دی ہوگی اور انہوں نے کہا ہاں۔جاپانی نے بہت نرمی اور شرمندگی کے ساتھ کہا کہ بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ وہ رسید ہم کو دے دیں چنانچہ عبدالقادر صاحب نے وہ رسید انہیں دے دی۔

تاہم عبدالقادر صاحب کے ذہن میں یہ سوال تھا۔کہ جاپانی نے کیوں ایسا سوال کیا۔

آخر رسید کو لے کر وہ اس کو کیا کرے گا۔ انہوں نے معافی مانگتے ہوئے اپنے جاپانی میزبان سے کہا کہ اگر کوئی حرج نہ ہو تو آپ مجھے یہ بتانے کی زحمت گوارا کریں۔ کہ کیمرہ کی رسید کیوں آپ نے طلب فرمائی۔

جاپانی نے کہا" کہ اصل یہ ہے کہ آپ یہاں ٹورسٹ (سیاح) کے طور پر آئے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ قاعدہ ہے کہ ٹورسٹ لوگوں کو جاپانی مضوعات خصوصی رعایت پر دی جاتی ہیں مثلاً یہ کیمرہ آپ کو چالیس فی صد کم قیمت پر دیا گیا ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ کیمرہ ملک سے باہر جا رہا ہو۔ مگر اب یہ کیمرہ ملک کے اندر رہے گا۔ اس لیے اب اس پر رعایت کا حق باقی نہیں رہتا۔ آپ سے یہ رسید ہم نے اس لیے لی ہے کہ ہم اس کو لے کر دوکان پر جائیں گے اور وہاں اس کی بقیہ قیمت ادا کریں گے۔ تا کہ ہماری وجہ سے جاپان کا قومی نقصان نہ ہونے پائے"۔(1)

جو قومیں اپنی قوم اور ملک سے اس قدر مخلص ہوں۔ جو ان اعلیٰ انسانی اقدار کو اپنالیں۔ اللہ رب العالمین کا قانون یہ ہے کہ وہ ایسی قوموں کو ہی عروج اور ترقی عطا فرماتا ہے۔

یقین فرمایئے یہ اخلاق عالیہ مسلمانوں کا ہی ورثہ ہیں۔ ورنہ جس وقت اسلام آیا دنیا اخلاق عالیہ کو یکسر فراموش کر بیٹھی تھی۔ ہر بندہ دوسرے کے لئے بھیڑیا اور درندہ بنا ہوا تھا۔ اسلام نے دنیا کو اخلاق سکھائے۔ لیکن حادثہ ہوا کہ

ع گرفتہ چینیاں احرام مکی خفتہ در بطحا

انشاءاللہ وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب مسلمان اپنی میراث کے صحیح معنوں میں وارث بنیں گے۔ ترقی کی راہیں ان کی منتظر ہیں اور عروج کے راستے ان کی راہ تک رہے ہیں

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

1۔ دعوت اسلام، صفحہ 7-146

مختلف قوموں کے اسبابِ زوال کا ایک جائزہ

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں یارو!
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فَافْهَمْ فَافْهَمْ

جس طرح قوم افراد سے بنتی ہے اس طرح مسلم قومیت کے وجود کا اظہار بھی مختلف ملتوں کے وجود سے ہی ممکن ہے میری مراد یہ ہے کہ شروع اسلام سے جو مختلف مسلمان حکومتیں قائم ہوئیں جیسے خلافت راشدہ، بنوامیہ، بنوعباس، فاطمیہ اور آل عثمان وغیرھم۔ اس زمین پر تو اسلام کی نشانی یہی قومیں اور ملتیں تھیں ان حکومتوں کا زوال دراصل مسلم قومیت کا ہی زوال گردانا گیا۔ جب بھی کوئی اسلامی حکومت ایسا طرز عمل اختیار کرتی ہے کہ جو اسے زوال کی پستیوں تک لے جاتا ہے تو دراصل وہ مسلم قومیت کا ہی زوال ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حکومت مستحکم ہوگی تو اس کی فکر میں اسلامی نظریہ حیات کا پرچار بھی ممکن ہوگا۔ اور وہ اظہار علی الدین کلہ کے لئے بھی کوشاں ہو سکے گی۔ لیکن جب ایک حکومت ہی کمزور و بے دست و پا ہوگی تو اس کی ساری کوششیں اپنے ہی دوام اور استحکام کے لئے صرف ہوگی اور وہ اسلامی فکر کی ترویج و اشاعت کا سوچ بھی نہیں سکے گی۔ گویا حکومتوں کا زوال دراصل مسلم قومیت کا زوال ثابت ہوگا۔

اس لیے ضرورت اس چیز کی ہے کہ تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالی جائے اور ان مشترکہ اسباب کا تجزیہ کیا جائے جس کے سبب سے یہ مضبوط حکومتیں زوال پذیر ہوئیں۔ اور پھر ان اسباب کا انطباق عصر حاضر پہ کیا جائے تا کہ اس دور کی زبوں حالی کے اسباب واضح ہو سکیں۔ اور پھر ہم اپنے حالات پہ غور کریں کہ کہیں ہم کسی بھی پہلو سے، کسی حد تک اور کسی بھی طریقے سے ان حالات کو پیدا کرنے میں شریک تو نہیں اور ہمیں اس چیز کا بھی تجزیہ کرنا ہوگا کہ ہماری کوششوں کا کتنے فیصد ان حالات سے ملت اسلامیہ کو بچانے کے لئے صرف ہو رہا ہے۔

یاد رہے کہ جیسے حق کی فطرت ہر دور میں ایک ہی رہی ہے ایسے ہی باطل کی فطرت بھی یکساں رہی ہے صرف لفظ بدل جاتے ہیں استعارے تبدیل ہو جاتے ہیں اور طریقے دوسرے آ جاتے ہیں۔ ایسے ہی قوموں کے زوال پذیر ہونے کے اسباب بھی ہر دور میں

ایک ہی ہوتے ہیں۔اس لیے ہمیں ماضی سے سبق سیکھتے ہوئے اصلاح احوال کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے

یہ حقیقت بھی واضح رہنی چاہیے کہ ہر فرد اپنا جواب دہ ہے۔اصلاح احوال کی کاوشیں بھی ہر فرد پر اپنی سطح تک ضروری ہیں۔ہر بندہ اگر حتی الوسع ان اسباب زوال کے تدارک کے لئے کوشاں ہو۔تو قوم بذات خود زوال سے نکل آئے گی۔کیونکہ قومیں افراد سے ہی بنتی ہیں۔گھر والا اپنے گھر تک، ادارے والا اپنے ادارے تک، شہر والا اپنے شہر تک، تحصیل والا اپنی تحصیل تک، ضلع والا اپنے ضلع تک، اور ملک والا اپنے ملک تک اگر اصلاحِ احوال کی کوشش کرے گا اور ان اسباب زوال سے بچے گا تو تب ہی قوم زوال کی ذلتوں سے بچ سکتی ہے۔اور اگر ہر فرد یہ ذمہ داریاں دوسروں پر ہی ڈالتا رہے گا اور دوسرون کو ہی مورد الزام ٹھراتا رہے گا تو پھر حالت وہی ہوگی کہ جب ایک بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ رات کو ہر شخص فلاں تالاب میں دودھ کا ایک پیالہ ڈالے۔ایک شخص نے سوچا۔اتنے لوگ جو دودھ کے پیالے ڈالیں گے اگر میں پانی کا پیالہ ڈال دوں تو بھلا کیا فرق پڑے گا اس نے پانی کا پیالہ ڈال دیا۔دوسرے نے بھی ایسا ہی سوچا اور تیسرے نے بھی الغرض سب نے یہی سوچا اور صبح وہ تالاب پانی سے بھرا ہوا تھا۔

آیئے ملت اسلامیہ کی تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالیں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ مسلم حکومتیں کن اسباب کی بنا پر زوال پذیر ہوئیں۔تاکہ ہم تاریخ سے سبق سیکھتے ہوئے ان حالات سے بچ سکیں۔مسلم حکومتوں کے زوال کے چند بنیادی اسباب یہ تھے۔

اسلامی نظریہ خلافت سے انحراف اور نا اہل جانشیں

اسلامی تعلیمات کی رو سے خلافت کا مطلب کوئی بادشاہی نہیں تھا۔اور نہ ہی یہ پیسے اکٹھے کرنے کا کوئی ذریعہ تھا۔بلکہ اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون نافذ کرنے کی ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اٹھانا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس منصب کے لئے بادشاہ یا سلطان کا لفظ نہیں رکھا۔بلکہ خلیفہ کا لفظ استعمال کیا۔کہ بادشاہ اور مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔یہ صرف اس

کے احکام نافذ کرنے کا ذمہ دار ہے۔اور حضرت عمرؓ کے مشہور فرمان کے مطابق اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی پیاسا مر گیا تو مجھ سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں فرمایا تھا۔کہ تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اُسے اُس کا حق نہ دلا دوں اور تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں اس سے حق دار کا حق نہ لے لوں۔خلفاء اسلام کی یہ فکر خلافت کی اہم ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اس لیے اسلام کے خلفاء نے اس ذمہ داری کی منتقلی میں اپنی ذات کو نہیں آنے دیا۔ اور انہوں نے یہ ذمہ داری اس کے سپرد کی۔ جسے وہ اس کا اہل سمجھتے تھے۔اگر کسی کا بیٹا ہی اس کا اہل ہو تو اسلام یہ نہیں کہتا کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔لیکن اس کی اصل اور بنیاد قابلیت اور صلاحیت ہے نا کہ کوئی خونی رشتہ۔خلافتِ راشدہ کا زمانہ اس کی تابناک مثال ہے۔

لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا۔اس نظریہ خلافت سے روگردانی ہوتی گئی۔اسے ایک اہم ذمہ داری نہیں بلکہ دولت سمیٹنے کا ایک ذریعہ سمجھا جانے لگا۔اور اس کا نتیجہ نا اہل جانشینی کی صورت میں نمودار ہوا۔باپ ایسے نا اہل بیٹے کو بھی جانشیں بنانے لگا۔جو امورِ خلافت سے ہی ناواقف ہوتا اسلام کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھئے کہ نا اہل جانشینی کی اس روش نے ملت کو کتنا نقصان پہنچایا اور خلافت کی جڑیں کس قدر کھوکھلیں کیں۔

ایسا بھی ہوا کہ ایک خلیفہ اپنے بعد پے در پے دو جانشیں بنا گیا کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہو گا اور اس کے بعد یہ۔تو پہلے نے دوسرے کو مروا دیا تا کہ اس کے بعد اس کا اپنا بیٹا جانشیں بنے۔ایک خلیفہ حصولِ تخت کے لئے ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے۔ایک جانشیں نے دوسرے جانشیں کے اعزاء واقرباء پر بھی ظلم وستم ڈھائے۔اگرچہ وہ کتنے ہی قابل اور خلافت اسلامیہ کے لئے کتنے ہی فائدہ مند ہوں۔محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد جیسے عظیم سپہ سالار اسی چیز کی بھینٹ چڑھے۔دارا شکوہ جیسے صوفی منش اور متقی انسان کو

قتل کیا گیا۔ جانشینی کے اس تصور نے ملت اسلامیہ کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ میں صرف دولت عثمانیہ کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اگر چہ سلیمان اعظم کی حکومت مضبوط تھی اور وہ تین براعظموں اور دو بحروں پر حکومت کر رہا تھا۔ لیکن اس کے اقلیم قلب و دماغ پر اس کی روسی بیگم روکسلین (ROXALANE) کی حکومت تھی۔ اس حکومت کا زوال اس طرح شروع ہوا۔ کہ اس روسی بیگم کے پیٹ سے سلیمان اعظم کا ایک لڑکا تھا جو انتہائی آوارہ بدچلن اور شراب خور تھا۔ اس کی بیگم یہ چاہتی تھی کہ وہ بادشاہ کا جانشیں بنے۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ بادشاہ کا ایک اور بیٹا مصطفیٰ جو کسی اور بیوی سے تھا جانشیں قرار پا چکا تھا۔ اور وہ اپنی فوجی اور انتظامی صلاحیتوں کے سبب بلاشبہ جانشینی کا مستحق بھی تھا۔ اب سلطان کی روسی بیگم نے ایک سازش کی۔ اس نے بادشاہ کو یہ باور کرایا کہ مصطفیٰ تو آپ کی زندگی میں ہی تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ بادشاہ اس سے بدگمان ہو گیا۔ چنانچہ 1553 میں جب ایران سے جنگ کرنے کے لئے مصطفیٰ اپنی فوج کے ساتھ کوچ کر رہا تھا تو سلیمان نے اسے اپنے خیمہ میں بلا کر قتل کروا دیا

مصطفیٰ کے دوسرے بھائی بایزید کو بھی ایک سازش کے تحت قتل کروایا گیا۔ اب اس آوارہ بدچلن اور شراب خور بیٹے سلیم کے لیے راستہ صاف تھا۔ اور سلیمان اعظم کے انتقال کے بعد یہی نا اہل بیٹا جانشیں بن گیا۔ اور دولت عثمانیہ تنزل کی راہوں پر چل نکلی۔

بنو فاطمہ کا زوال بھی اسی طرح شروع ہوا تھا معز اور العزیز باللہ کی انتظامی قابلیت کی بدولت بنو فاطمہ کی سلطنت کو انتہائی عروج ملا تھا۔ مگر العزیز کے جانشیں نکمے اور نالائق تھے۔ الحاکم کا دماغی توازن درست نہیں تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ذات الٰہی کا مظہر ہے۔ انہیں فضول دعوؤں اور بے پناہ مظالم کے سبب عوام بنو فاطمہ کے سلاطین سے متنفر ہوتی گئی

الحاکم کے جانشیں غیر تجربہ کار تھے۔ وہ امورِ سلطنت سے واقف نہیں تھے انہوں نے سیاسی معاملات کی بھاگ ڈور اپنے وزراء کے سپرد کر دی تھی۔ اس سے ساری مملکت میں

ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں۔اور ملک سازشوں اور غیر ضروری جنگوں کا اکھاڑہ بن گیا چونکہ ایسی سیاسی نظام کبھی دیر پا نہیں ہو سکتا اس لیے فاطمی سلطنت کا زوال ایک یقینی امر تھا۔

خاندان مغلیہ کا زوال بھی ایسے ہی ہوا تھا۔ اس خاندان کے پہلے تاجداروں نے سلطنت کی شان و شوکت کو بڑھایا۔لیکن عالمگیر کے جانشیں نکمے اور نالائق تھے امور سلطنت کو سمجھنا سنبھالنا ان کے بس میں نہیں تھا۔ ملک کے حالات بد سے بدتر ہوتے گئے ایسی صورت میں سلطنت مغلیہ کی تباہی یقینی ہو گئی۔

ہمارے اس دور میں تو یہ منصب کسی ذمہ داری کا نام نہیں۔ بلکہ دولت اور مفادات کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس لیے اسے حاصل کرنے کے لئے ہر کوشش کی جاتی ہے اور پھر اپنی استعداد سے بڑھ کر اپنوں کو نوازا جاتا ہے۔ عدل، اخلاق اور قانون کی دھجیاں بکھیر دی جاتی ہیں۔ گر "بادشاہی" کے دور میں ایک بادشاہ اپنے نااہل بیٹے کو جانشیں بنا کے مجرم بنتا ہے تو "جمہوریت" کے اس دور میں اپنوں کو نوازنا بھی تو اتنا ہی جرم ہے۔لیکن انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ ماضی کی غلطیوں کو مانتا ہے لیکن حال کی غلطیوں کو نہیں مانتا۔ دوسروں کی آنکھ کے تنکے دیکھتا ہے لیکن اپنی آنکھ کی شہتیر اسے نظر نہیں آتے۔

اگر ایمان سے ہمارا تعلق مستحکم رہتا۔تو نہ اسلامی نظریہ خلافت سے روگردانی کی جاتی اور نہ ہی اپنے اقتدار اور اختیار کے سبب نااہل جانشینی کے مستحق قرار پاتے۔ اور نہ ہی کسی بھی سطح پر صرف تعلقات کی بنیاد پر کسی کو کوئی عہدہ دیا جاتا۔ کیونکہ ایمان کی پکار یہ ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے۔ بندے کے پاس جو کچھ ہے اللہ کی امانت ہے اور اس کا حکم ہے کہ امانت اس کے اہل کے سپرد کی جائے وہ فرماتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ
بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء:57)

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کو پہنچا دو۔اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو"۔

یہ ایک عام حکم ہے۔ ہر شخص سوچ کہ اس کے پاس جو امانت ہے۔ کیا وہ اسے اس کے اہل کے سپرد کر رہا ہے۔ اور جب بندے کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ اللہ کی طرف سے امانت ہی ہے۔ تو کیا وہ یہ امانتیں ان کے اہل کو لٹا رہا ہے اگر کسی گھر کی ذمہ داری کو سپرد کرنے میں یہ طریقہ نہ رہے گا تو گھر اجڑ جائے گا ادارہ کی منتقلی میں یہ معیار نہ رہے گا ادارہ تباہ ہو جائے گا۔ اور ملک اس معیار سے گرے گا تو ملک لٹ جائے گا۔ جانشینی کا معیار قابلیت ہے نہ کہ کوئی رشتہ اور نہ ہی کوئی مادی سبب۔ اس معیار سے انحراف اور نا اہل جانشینی کو امت کے وجود کو اس طرح کھایا ہے جیسے گھن لکڑی کو کھا جاتا ہے۔

فرقہ پرستی

جس چیز نے خلافت اسلامیہ کی کمر توڑ دی ہے وہ فرقہ پرستی ہے۔ اسلام کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ خلافت اسلامیہ کو جتنا نقصان فرقہ پرستی اور گروہ بندی نے پہنچایا ہے اتنا نقصان نہ عیسائیوں نے پہنچایا ہے اور نہ یہودیوں نے۔ خلافت اسلامیہ میں پہلی دراڑ فرقہ پرستی کا ہی شاخسانہ تھی عہد عثمانیؓ میں ملت اسلامیہ پر پہلا حملہ اسی راستے سے کیا گیا تھا۔ عبداللہ بن سبا دراصل یہودی تھا یا عیسائی۔ لیکن وہ آیا ایک مسلمان اور محبِ اہلِ بیت کے روپ میں تھا۔ وہ اسلام کے مقابلہ میں کافر بن کے آیا نہیں تھا۔ بلکہ اس دعوی کے ساتھ آیا تھا کہ خلافت اہل بیت کا حق ہے۔ دوسروں نے خواہ مخواہ اس پر قبصہ کر لیا ہے۔ یہی فتنہ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت پر منتج ہوا۔ خلافتِ اسلامیہ کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ امت کی وحدت کو شدید دھچکا لگا۔ اور امت ہمیشہ کے لئے دو گروہوں میں بٹ گئی۔

پھر حضرت علیؓ کے عہد میں خوارج نمودار ہو گئے بظاہر جمہوریت کے علمبردار اور تقوی و تدین کے ہمالہ۔ اپنے اعتقادات کی اشاعت پر جان کی بازی لگانا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنا اپنا اوّلیں فریضہ سمجھتے تھے۔ لیکن ان کے خود ساختہ عقیدوں اور تقشف پسندی کے سبب اسلامی حکومتوں کو جتنا نقصان ان کے ہاتھوں اٹھانا پڑا اتنا کسی اور سیاسی گروہ کے ہاتھوں نہیں اٹھانا پڑا۔

شروع میں حضرت علیؓ نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ مگر تمام کوششیں بے سود اور رائیگاں گئیں۔ لیکن ان کا پوری طرح قلع قمع نہ ہوا پھر حضرت علیؓ کی شہادت انہیں لوگوں کی سازش تھی۔ خلافت بنو امیہ میں یہ لوگ متعدد شورشیں بپا کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی تخریبی کاروائیوں کی بدولت بنو امیہ اور بنو عباس کی حکومتوں کو آرام سے نہ بیٹھنے دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو ناحق تہ تیغ کیا اور اسلامی حکومتوں کو کمزور کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

بنو امیہ کے دور میں شیعہ، معتزلہ اور مرجئہ جیسے فرقوں کا ظہور ہوا اور امت تقسیم در تقسیم ہوتی گئی۔ جن سے نمٹنے کے لئے خلافتِ اسلامیہ کی بے پناہ طاقت صرف ہوئی۔ اور عہد بنو عباس نے قرامطہ اور باطنیہ نے ملت کو جو شدید نقصان پہنچایا وہ نا قابلِ بیان ہے۔ قرامطہ نے 1899 میں بحرین بصرہ پر قبضہ کر کے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ بعد ازاں انہوں نے عباسی فوجوں کو شکست دی اور مکہ معظمہ کو لوٹ لیا۔ یہ لوگ وہاں سے حجر اسود اور دیگر تبرکات نکال کر لے گئے۔ مصر کے فاطمی خلیفہ منصور کے اصرار پر قرامطیوں نے حجر اسود اور دیگر تبرکات کعبہ واپس کر دیئے چنانچہ 951ء میں حجر اسود کو دوبارہ نصب کیا گیا۔ اس واقعہ سے کافی عرصہ تک لوگ خوفزدہ رہے اور فریضہ حج کی ادائیگی سے قاصر رہے۔ اس فتنہ نے ملت اسلامیہ کو بے تحاشہ نقصان پہنچایا۔ عوام اور حکومت کی وہ کوششیں جو اسلام کی وسیع تر نشر و اشاعت میں صرف ہونی چاہیں تھی۔ انہیں کی نذر ہو گئیں۔ اسی دور میں فرقہ راندویہ، فتنہ مقنع، زنادقہ بابک خرمی کے فتنے نمودار ہوئے اور ملت کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اسی فرقہ پرستی نے نوبت سقوطِ بغداد تک پہنچا دی۔ شیعہ، سنی اختلاف نے خلافت اسلامیہ کا خاتمہ کروا دیا لیکن فرقہ پرستی کا پھر جوش بھی سرد نہ پڑا۔

عقل و شعود کے اس دور میں بھی ملت اسلامیہ کی کوششوں کا ننانویں فیصد سے زیادہ حصہ اسی فرقہ پرستی کی نذر ہو رہا ہے۔ اسلام کے نام پر کی جانے والی کوششیں اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے نہ ہونے کے برابر اور کسی مخصوص فرقہ کی نشر و اشاعت کے لئے زیادہ خرچ ہو رہی ہیں۔

وہ وقت کب آئے گا جب ہم تاریخ سے سبق سیکھیں گے۔ جب ملت کا وجود فرقہ پرستی کے ناسور سے پاک ہوگا۔ جب ہم سے ہر فرد کسی مخصوص فرقہ یا مسلک کے لئے نہیں دین کی نشر و اشاعت کے لئے کوشاں ہوگا۔ چشم فلک منتظر ہے اس نظارہ کو دیکھنے کی جب ملت اسلامیہ فرقہ پرستی اور گروہ بندی کے خول سے باہر نکلے۔ اس کا ضعف قوت میں بدلے، زوال عروج میں تبدیل ہوا، اس کی پستی رفعتوں کا روپ دھار لے یہ سب کچھ ہوسکتا ہے بشرطیکہ ہر شخص فرقہ پرستی کے دائرے سے نکل کر اسلام کی آفاقیت کا سفیر بن جائے۔

اخلاقی انحطاط اور عیش پرستی

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے ملک چھیننا چاہتا ہے تو اس میں اخلاق ذمیمہ اور رزیل عادتیں پیدا فرما دیتا ہے۔ اس لیے وہ لوگ سیاسی خوبیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور جب یہ حرماں نصیبی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے قبضہ سے ملک نکال لیتا ہے اور کسی دوسری قوم کو دے دیتا ہے۔ جس میں سیاسی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ملک سے محرومی اور حکومت کا نکلنا خود ان کے کرتوتوں کا ثمرہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں جو نعمت ملک و عزت عطا فرمائی تھی۔ وہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان سے سلب کر لی گئی۔ قرآن پاک میں ہے جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس میں مالداروں کی کثرت کر دیتے ہیں۔ پھر وہ اسے میں بداعمالیاں کرتے ہیں اور اس پر عذاب واجب ہو جاتا ہے۔ پھر ہم اس پوری طرح تباہ کر ڈالتے ہیں۔ اگر اقوام سابقہ کی تحقیق کی جائے اور ماضی کے حکمرانوں کے زوال کے اسباب ڈھونڈنے جائیں تو یہی زوال کے اسباب ملیں گے۔ جو ہم نے بیان کیے ہیں''۔(1)

اسلام کی پوری تاریخ ابن خلدون کے اس تجزیہ کی صداقتوں کی گواہی دیتی ہے۔ ویسے

1۔ مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، صفحہ 174

بھی یہ بات بالکل واضح ہے کہ ذمہ داری کا احساس تو لوگوں سے راتوں کی نیند اور دنوں کا چین سلب کر لیتا ہے جب ایک ملک کا سربراہ ہی اپنی ذمہ داری سے غافل ہو کر محفل عیش و عشرت سجا کے بیٹھے جائے گا تو دیگر اعیان مملکت تو اس سے بھی چند ہاتھ آگے جانے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ ضابطہ ہے کہ اگر بادشاہ کسی باغ سے ایک انار توڑ کر کھالے گا سو اس کے لشکری تو پورا باغ اجاڑ دیں گے اگر بادشاہ امور مملکت پر توجہ نہ دیں اور اپنی محبوباؤں کے لئے محل ہی تعمیر کرتے ہیں اور ان کے ناز و نخرے ہی اٹھاتے رہیں تو اللہ کے قانون میں ایسے بادشاہوں سے حکمرانی چھینا ضروری ہے بقول مفکر اسلام حضرت اقبال ۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر وسناں اوّل، طاؤس و رباب آخر

جب اندلس میں بنو امیہ کی حکومت آخری سانس لے رہی تھی تو اس وقت مسلمان حکمران کسی دماغی تنزل کا شکار تھے۔ اس کا اندازہ اس ایک چھوٹے سے واقعہ سے لگایئے۔

اس عہد کا سب سے بڑا فرمانروائے اندلس معتمدین عباد تھا۔ ایک مرتبہ اس کی بیوی نے جس کا لقب اعتماد تھا اشبیلیہ میں چند دہقانی عورتوں کو دیکھا۔ کہ وہ کیچڑ میں کھڑی ہیں۔ ان کی پنڈلیاں کھلی ہیں اور وہ مشک سے دودھ فروخت کر رہی ہیں۔ بیگم کو یہ منظر اتنا پسند آیا۔ کہ اس نے بادشاہ سے کہا" میرا جی چاہتا ہے کہ میں اور میری کنیزیں بھی ایسا ہی کریں۔ بادشاہ نے کہا یہ کون سی بڑی بات ہے اس نے فوراً حکم دیا اور قصر شاہی میں عنبر و مشک اور گلاب کو عرق گلاب میں گوندھ کر کیچڑ بنائی گئی۔ اور بیگم اپنی لونڈیوں کے ساتھ اس میں کھڑی ہو گئیں۔ دیہاتی عورتوں کی طرح ان سب کی ہاتھوں میں بھی مشکیں تھیں۔ لیکن فرق یہ تھا کہ ان سب کی ڈوریاں ریشم سے بٹی ہوئی تھیں"۔(1)

جو بادشاہ ایسی ناز برداریوں میں ہی مگن رہیں ان سے سلطنت چھین لی جاتی ہے۔ جب فرڈینڈ نے اندلس پے قبضہ کیا اور اندلس کا آخری بادشاہ علی عبد اللہ الصباح اپنے

1۔ نفح الطیب، جلد 1، صفحہ 205

ساتھیوں کو لے کر الحمرا سے نکلا۔ ابھی تھوڑی دور ہی آیا تھا کہ اسے فرڈیننڈ کا فرستادہ پادری مع ایک جماعت کے ساتھ ملا۔ ابو عبداللہ نے قلعہ کی کنجیاں اس کے سپرد کرتے ہوئے کہا

''جاؤ اب ان قلعوں پر قبضہ کر لو۔ جن کو اللہ نے ہماری بد اعمالیوں کے باعث ہمارے قبضہ سے نکال کر تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے''۔

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں جب حکمران عیش و عشرت کے راستوں پر چل نکلیں تو حکومتیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔ اموی سلطنت کو بھی اس عیش پرستی نے تباہ کیا تھا۔ یوں تو اموی خاندان کے چودہ حکمرانوں میں سے دس شراب کے رسیا تھے مگر سلیمان اور یزید ثانی کی عیش پرستی، ہشام کی کنجوسی اور ولید ثانی کی شراب نوشی ضرب المثل بن گئی تھی۔ اسی عیش و عشرت کے سبب انہوں نے امور سلطنت سے بے اعتنائی برتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روسا اور ارکان حکومت خودسر ہو گئے۔ اور ان کے باہمی نفاق نے اموی سلطنت کو کھوکھلا کر دیا۔ اور ابو مسلم خراسانی نے ایک ہی فوجی یلغار میں اموی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

عباسی سلطنت کو بھی تاخت و تاراج کرنے میں عیش پرستی کا بڑا ہاتھ تھا۔ متوکل کے جانشیں آرام طلب، شراب کے متوالے نکمے اور نالائق تھے۔ امور سلطنت کو سنبھالنا ان کے بس میں نہ تھا۔ وہ امراء کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے رہے۔ انہیں اپنی عیش و عشرت سے ہی فرصت نہ ملی اور مملکت چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں میں تقسیم ہوتی گئی۔ ایسی صورت میں سلطنت عباسیہ کی تباہی یقینی تھی۔

چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھے کہ جب مسلمانوں کی عظیم خلافتیں بغداد اور ہسپانیہ میں اور وسیع مغلیہ شہنشاہیت بے راہرو شہزادوں کے شراب میں ڈوب گئی۔ دشمن دہلی پہ قابض ہو گئے اور ادھر سے ''ہنوز دلی دور است'' کی مستانہ آوازیں ہی گونجتی رہیں ابھی کل کی بات ہے جب مشرقی پاکستان یحییٰ خان اور اس کے مخمور ساتھیوں کے جام شراب کی نذر ہوا۔

عام بندہ عیش و عشرت کا دلدادہ ہو جائے تو وہ خود تباہ ہوتا ہے یا زیادہ سے زیادہ اس کا گھر لیکن جب ارباب اقتدار عیش و عشرت کے دلدادہ ہو جائیں تو ملک تباہ ہو جاتے ہیں۔

سلطنتیں فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔ کارکنان مملکت اور ارباب اقتدار کو تاریخ کی اس گونجتی صدا پہ کان لگانے چاہئیں کہ ان کی عیش پرستی اور اخلاقی انحطاط مملکتوں کو برباد کر دیتا ہے اور کئی نسلوں کو غلامی کے کبھی نہ چھٹنے والے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے۔

کیا دبدبہ نادر کیا شوکت تیموری
ہو جاتے ہیں سب دفتر غرقِ مئے ناب آخر
میخانہ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اوّل دیتے ہیں شراب آخر (اقبال)

اسلامی نظریۂ اخوت سے انحراف

اسلامی حکومتوں کو جن چیزوں نے بے تحاشا اور نا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ ان میں سے ایک اسلامی نظریہ اخوت سے انحراف ہے۔ جو قبائلی، نسلی اور علاقائی خانہ جنگیوں پر منتج ہوا۔ اسلام نے ان تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا ہے۔ جن کی وجہ سے نسل انسانی کی وحدت معرض خطر میں پڑ جاتی ہے، نسل انسانی تقسیم در تقسیم ہوتی جاتی ہے اور ملت کا وجود کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ وہ نسل کا تفاوت ہو، رنگ کا فرق ہو، علاقے کا امتیاز ہو یا کسی قبیلے اور خاندان کا بت ہو۔ اسلام نے ان تمام چیزوں کو صرف تعارف اور پہچان کے لئے مانا ہے لیکن اسے نہ باعثِ نزاع بنایا اور نہ ہی باعث فخر و مباحات۔

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق یہ چیزیں تعارف اور پہچان کا ذریعہ تو ضرور ہیں۔ لیکن وحدت نسل انسانی کی بنیاد اور اخوت باہمی کا سبب صرف اور صرف اسلام اور ایمان کو قرار دیا ہے۔ کہ ایک کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کا بھائی ہے اگر چہ ان کا رنگ مختلف ہو، نسل الگ الگ ہو، زبان مختلف ہو اور قبیلہ علیحدہ علیحدہ ہو۔ یہاں فارس کا سلمانؓ، روم کا صہیبؓ، حبشہ کا بلالؓ اور مکہ کا ابو بکرؓ بھائی بھائی ہیں کیونکہ یہ اخوت اسلامی کی لڑی میں پروئے گئے ہیں۔ اوس اور خزرج اپنی کئی نسلوں کی دشمنی بھلا کر بھائی بھائی بن گئے ہیں کیونکہ انہوں نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا ہے۔ لیکن جو اس لڑی میں نہ آیا۔ اس دائرہ میں داخل نہ ہوا۔ وہ کسی کا کچھ نہیں

لگتا، اگر چہ بظاہر وہ اس کا باپ ہو، بیٹا ہو یا بھائی ہو۔ وہ ان کا دشمن ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا دشمن تھا۔ ان کی پاکیزہ زندگیوں کا ایک ایک پل اس بات کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے اور زندہ گواہ بھی۔

آخر ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ہی بنائے اخوت قرار دیا ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات:10)

''صرف مومن ہی آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔

اور حبل اللہ کو تھامنا ہی باعثِ اتفاق واتحاد قرار دیا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران:103)

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ ڈالو''۔

جب تک یہ نظریہ شعوری طور پر اور اپنی دریافت کے ساتھ زندہ رہا۔ مسلم امہ بنیاص مرصوص سے بھی پختہ تر رہی۔ لیکن یونہی یہ نظریہ کمزور ہوتا گیا۔ مسلم امہ کا وجود کمزور سے کمزور تر ہوتا گیا۔ اسلام کی پوری تاریخ اس کی گواہی بھی دیتی ہے اور مسلم امہ کے ایک ایک فرد کو دعوتِ فکر بھی۔

بنو امیہ کے اسباب زوال یہی قبائل تعصب بالکل واضح نظر آ رہا ہے۔ اسلام نے جس قبائلی تعصب کا قلع قمع کر کے اخوت اور مساوات کا دور دورہ کیا تھا۔ اموی حکمرانوں نے اپنی ذاتی اغراض کے حصول کے لئے اس تعصب کو پھر سے ہوا دینا شروع کر دی۔ صوبوں کے حاکموں کی تقرری میں یہی جذبہ کارفرما رہنے لگا۔ مہلب کا سارا خاندان اور محمد بن قاسم اسی قبائلی تعصب کی بھینٹ چڑھے۔ ان قبائلی جھگڑوں سے ابو مسلم خراسانی نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس نے پہلے یمنی اور مضری قبائل کو آپس میں لڑایا۔ اس طرح بنو امیہ کی طاقت کو کمزور کیا۔ پھر خود حملہ کر کے دونوں قبیلوں کو ختم کیا اور ساتھ ہی بنو امیہ کے تخت و تاج کو بھی تاخت و تاراج کر دیا۔

بنو امیہ کے بعض حکمرانوں نے محض قبائلی تعصب کی خاطر اسلام کے بعض نامور

جرنیلوں سے انتہائی ناروا سلوک کیا۔ سلیمان نے حجاج کے رشتہ داروں اور عاملوں کو سخت سزائیں دیں۔ یزید ثانی نے آل مہلب کو ختم کیا۔ ولید ثانی نے خالد بن عبداللہ قسری سے انتہائی برا سلوک کیا ظلم کی ان بچی داستانوں نے بنو امیہ کے بارے میں عوام کے دلوں میں نفرت کے بیج بو دیئے۔ اوران کے دل اپنے حکمرانوں کے لئے کسی بھی قسم کی ہمدردی کے جذبات سے خالی ہو گئے اور ایسے حالات میں حکومتوں کا زوال پذیر ہونا اور یقینی اور قطعی بات ہوتا ہے۔

خلافتِ بنو عباس کے زوال پذیر ہونے کا ایک اہم سبب بھی یہی قبائلی تعصب تھا۔ عباسیوں نے بنو امیہ کے اقتدار کی بساط الٹنے کے بعد بنو فاطمہ اور علویوں پر بے تحاشا ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔ بلکہ لوگوں میں یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ رسول خدا ﷺ کے وارث دراصل عباسی ہی ہیں۔ منصور نے محمد نفس ؒ ذکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم ؒ کے ساتھ سخت ناروا سلوک کیا۔ ہارون الرشید کا رویہ بھی علویوں کے متعلق ایسا ہی رہا۔ خلیفہ متوکل نے ایک عالم شخص کو صرف اس لیے ہاتھی کے پاؤں تلے روند ڈالا کہ اس نے خلیفہ وقت کے دو بیٹوں کو امام حسن ؓ اور امام حسین ؓ پر ترجیح دینی پسند نہ کی۔ یہی چیز اختلافات کی خلیج کو وسیع کرتی گئی اور خلافت عباسیہ کے اختتام پر منتج ہوئی۔

سپین میں بھی یہی ہوا تھا۔ یمنیوں اور مصریوں کی پرانی رقابت اور بربریوں اور ہسپانوی مسلمانوں کے آپس کے اختلاف سپین میں اسلامی حکومت کے خاتمے کا پیش خیمہ بنے تھے۔

سارا ملک انہیں جھگڑوں کی نذر ہو گیا تھا۔ بڑے بڑے نازک موقعوں پر بھی مسلمان امرا باہمی اختلافات کو ختم کر کے عیسائیوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم نہ کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائی حملہ آوروں نے متواتر یورشوں سے انہیں ختم کر ڈالا۔

آپ کسی بھی دور کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں۔ یہی عصبیت، یہی قبائل رقابتیں، یہی علاقائی جھگڑے اور رنگ و نسل کے یہی امتیازات ملت اسلامیہ کے وجود کو ایسے کھا رہے

ہیں جیسے گھن لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

عصر حاضر کا تجزیہ کر لیجئے کہیں صرف عربوں کے تحفظ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ کہیں ایشیائی ممالک کے اتحاد کا ڈھونڈرا پیٹا جا رہا ہے۔ کہیں خلیج ریاستوں کی بقا کی آوازیں گونج رہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہاں گیا اسلامی نظریہ اخوت؟ کہاں گیا ملت اسلامیہ کا بھائی چارہ؟ کیوں فراموش کر دیا ہم نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے اس فرمان کو کہ الکفر ملة واحدة والاسلام ملة واحدة۔ کفر ایک قوم ہے اور اسلام ایک قوم ہے۔

ملت اسلامیہ کے ارباب اقتدار سوچیں کہ ہماری یہ روش کہیں ملت کو تباہی کے دھانے کی طرف تو لے کر نہیں جا رہی؟ جب کفر اپنے آپ کو ایک قوم سمجھ رہا ہے اور مسلمان اپنے آپ کو ایک قوم کب سمجھیں گے۔ یہ عرب و عجم کے چکر، یہ ایشیا اور غیر ایشیا کی تقسیم اور یہ خلیج و غیر خلیج کے امتیازات سب کفر کے پیدا کردہ ہیں۔ ہماری بنائے اخوت اسلام ہے۔ مسلمان دنیا کے کسی خطے کا رہنے والا ہو۔ کوئی زبان بولتا ہو، کسی قبیلے سے رکھتا ہو اور کسی بھی رنگ کا حامل ہو ہمارا بھائی ہے۔

کفر انتہائی چالاکی اور عیاری سے ان خود پیدا کردہ تقسیموں کی آڑ میں ہمارے ہاتھوں سے ہی ایک سے دوسرے کو تباہ کرواتا ہے ڈرو اس دن سے جب ہم ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنے اپنے آپ کو مکمل تباہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔ اور پھر کمزور کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا اور مفتوح اور فاتح میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا۔

اندلس کی تاریخ اٹھا لو یا بغداد کی۔

میں آج اگر زد پہ ہوں تو خوش گماں نہ ہو
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

ہمیں غور کرنا چاہیے کہیں ہم نے اپنے مفادات کی خاطر اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے اللہ کا سہارا چھوڑ کر کافروں کا سہارا تو نہیں ڈھونڈ لیا؟ کہیں ہم خون مسلم کی ارزانی کا سامان تو نہیں کر رہے؟ ہم اللہ کی طاقتوں کو صرف برکت کے لئے اور کافروں کی طاقت کو

حقیقتاً مانے تو نہیں لگ گئے؟ اگر ایسا ہے تو یہی کفر کا راستہ ہے اور یہی شرک کی روش ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

(اقبال)

وہ وقت کب آئے گا جب ہم اسلامی نظریہ اخوت کو اپنائیں گے۔ جب محبت اور بھائی چارے کی بنیاد مفادات نہیں اسلام اور صرف اسلام ہوگا۔ جب ہم رنگ و نسل کے جملہ بت پاش پاش کر کے اسلام اور ایمان کو وحدت ملی کی بنیاد بنائیں گے؟

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی
میان شاخساراں صحبت مرغ چمن کب تک
ترے بازو میں ہے پروانہ شاہینِ قہستانی (اقبال)

عوام کا حکمرانوں سے تنفر

مسلمان حکومتوں کو تباہ کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ حکمران اپنی رعایا کی ہمدردیوں اور محبتوں سے محروم ہو گئے تھے جیسے ایک جماعت اپنے قائد کے بغیر شتر بے مہار اور بے مقصد ہو جاتی ہے ایسے ہی قائد اپنی جماعت کے بغیر بے معنیٰ ہو کے رہ جاتا ہے۔

اسلام نے شورائی نظام حکومت تشکیل دیا تھا لیکن بعد میں جب اس نظام سے انحراف کر کے وراثت اور جبر کا نظام نافذ کر دیا گیا اور حکمرانوں نے محض طاقت اور ظلم کے بل بوتے پر حکومت کرنی شروع کر دی تو عوام کے دلوں میں حکمرانوں کے لئے جگہ نہ رہی۔ اب بظاہر تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور حکمران یہ سوچ لیتا ہے کہ مجھے عوام کی کیا پرواہ جو بھی سوچتے رہیں میں بادشاہ ہوں۔ صاحب اقتدار ہوں وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

لیکن جیسے پانی اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے۔ نیند اپنے وقت کا تعین خود کر لیتی ہے۔ ایسے ہی

عوام کی نفرت بھی اپنے اظہار کے مختلف راستے خود بنا لیتی ہے اور یہی راستے حکومت کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ کفر کی تقویت اور اسلام کی کمزوری کی شکل میں نکلتا ہے جیسا کہ شروع میں عرض کیا جا چکا ہے۔

تاریخ شاہد ہے اسی نفرت کے سبب کہیں رعایا نے کسی دوسرے حکمران کو اس ملک پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ اور پھر اس کا بھرپور ساتھ دے کے قبضہ کروایا۔ کہیں خود مختار ریاستیں وجود میں آئیں اور حکومت کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی۔ کہیں حکومت کے خلاف سازشوں کے جال بنے جانے لگے۔ اور حکومت کی ساری کوششیں انہیں ختم کرنے میں ہی صرف کی جانے لگیں۔ عصر حاضر میں غور فرمائیں کہ جو حکمران جبر سے حکومت کر رہے ہیں۔ ان کی کوششوں کا کتنے فیصد حصہ صرف اپنے اقتدار کو بچانے میں صرف ہو رہا ہے۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ وہ حکومت کے سارے وسائل اپنے استحکام کے لئے ہی صرف کرتے رہے ہیں۔ ان کی ہر کوشش کے ڈانڈے اسی نقطہ سے آ کر ملتے ہیں تو شاید کچھ مبالغہ تو معلوم ہوتا ہے لیکن خلاف حقیقت قطعاً نہیں۔

تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے۔ کہ حکومتوں کے زوال پذیر ہونے کے بڑے بڑے اسباب یہی تھے جن کے سبب مسلمان کمزور ہوئے اور کفر کو تقویت ملی۔ اور یہی اسباب آج بھی ہیں۔ صرف لفظ تبدیل ہو گئے ہیں۔ لیکن انسان کی کمزوری ہے کہ یہ ماضی کی غلطیوں کو مان لیتا ہے لیکن حال کی غلطیوں کو نہیں مانتا۔ حالانکہ کمال ماضی کو ماننا نہیں حال کو ماننا ہوتا ہے۔

ہم میں سے ہر شخص کو گہری سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ کہیں ہم کسی سطح پر اور کسی بھی زاویئے سے ان میں سے کسی غلطی کو اپنائے ہوئے تو نہیں؟ کہیں کسی بھی سطح پر ہمارا کوئی عمل اسلام کی کمزوری کا ذریعہ تو نہیں بن رہا؟ کیونکہ حقیقتیں ہر دور میں یکساں رہتی ہیں صرف لفظ بدلتے ہیں اور استعارے تبدیل ہو جاتے ہیں۔

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری ہے قصہ جدید و قدیم

قرآن مجید کا قانونِ
عروج وزوال

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّت کردار
جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

قرآن مجید بنی نوع انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری اور حتمی ہدایت نامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو جس سسٹم اور طریقہِ کار کے مطابق بنایا ہے۔ اگر کوئی بندہ اس سسٹم سے ہٹ کر کائنات میں کوئی کامیابی کسی بھی دوسرے طریقے سے چاہتا ہے تو اس کی تمام محنتیں رائیگاں چلی جائیں گی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو دیکھنے کے لئے بنایا اور کان سننے کے لئے۔ اب اگر کوئی بندہ کان سے دیکھنے اور آنکھ سے سننے کی کوشش کرے گا تو ظاہر ہے اسے سوائے ناکامی ونامرادی کے اور کچھ نہیں ملے گا۔

ایسے ہی انسانیت کو در در کی ٹھوکروں سے بچانے، اسے منزلِ مراد سے ہمکنار کرنے اور اسے دارین میں کامیاب وکامران بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو اپنا طریقہ کار بنایا ہے قرآن مجید اسی کا دوسرا نام ہے جیسے آنکھ سے سننے والا اور کان سے دیکھنے والا ناکام ہوتا ہے ایسے ہی زندگی کے کسی بھی میدان میں قرآنی ہدایات سے انحراف کر کے کامیابی چاہنے والا خائب وخاسر ہوگا۔ قرآنی ہدایات کو چھوڑ کر انسان نہ کسی فرد کے لئے فائدہ مند ہوسکتا ہے اور نہ معاشرہ اور قوم کے لئے۔

قومیں کس طرح عروج پاتی ہیں اور کیسے زوال کی پستیوں میں جا گرتی ہیں۔ عروج پانے کے لئے کن راہوں پر گامزن ہونا چاہیے اور زوال کی ذلتوں سے بچنے کے لئے کن راستوں سے بچنا چاہیے قرآن مجید نے اس بارے میں انسان کو بڑی جامع اور کامل ہدایات دی ہیں لیکن قرآن مجید کا اسلوب تاریخ کے اسلوب سے قطعاً مختلف ہے۔ کیونکہ تاریخ اسباب کو ظاہر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو باطن میں لے جاتی ہے اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ظاہر کرتا ہے اور اسباب کو باطن میں لے جاتا ہے۔

قرآن مجید کا طرز بیان تاریخ کتب کے طرز بیاں سے بالکل مختلف ہے کیونکہ قرآن مجید کا مقصد اوّلین تاریخ بیانی نہیں بلکہ تاریخ کے ضمن میں ہدایات انسانی کا سامان فراہم کرنا ہے۔ قرآن مجید میں گذشتہ بہت سی اقوام کا تذکرہ ہے۔ جن میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے

ان کے ان عادات واطوار کا تذکرہ کیا۔ جو ان کی تباہی و بربادی کا باعث بنے۔

قرآن مجید نے مختلف زاویوں اور منفرد اسالیب سے ان چیزوں کو واضح کر دیا ہے جو کسی بھی قوم کے عروج وزوال میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ کن قوموں کو دنیا میں باقی رہنے کا حق ہے اور کون سی قومیں صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ تا کہ انسانی ہدایت کا کوئی پہلو کسی بھی زاویہ سے تشنہ نہ رہے اور

لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّ
يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ (انفال:42)

"تا کہ اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ کر دے جیسے ہو کر رہنا ہے۔ تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے"۔

قرآن کریم کسی قوم کی بقا و استحکام اور ترقی و عروج کے لئے جو اصول انسان کو دیتا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں

1۔ اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر دوسروں کے لئے جینا قوموں کو عروج دیتا ہے

خودغرضی اور اپنی تمام کاوشوں کو صرف اپنی ذات تک ہی محدود کر دینا مقام انسانیت سے بہت گری ہوئی بات ہے۔

طفیل ہوشیار پوری نے کہا تھا

انساں کو بٹھاتے ہیں خنک سائے میں
انسان سے بے جان درخت اچھے ہیں

اگر ایک درخت دوسروں کو سایہ مہیا کر دے اور انسان انسان ہو کر دوسروں کے بھلے کے لئے کچھ نہ کرے تو وہ انسان شرف انسانی سے کیسے مزین رہ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ جس قوم کے افراد دوسروں کے لئے نفع بخش اور سودمند نہ رہیں۔ وہ قوم صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے اور جس قوم کے افراد اپنے لیے نہیں دوسروں کے

لئے جیتے ہیں ان کی کوششیں اپنی ذات تک محدود نہیں ہوتیں وہ دوسروں کی بہتری اور بھلائی کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ وہ قوم زندہ رہتی ہے اور عروج کی منزلیں طے کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عروج وزوال کے اس اہم اور بنیادی نکتہ کو کتنے عام فہم اور خوبصورت الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَـقَّ وَالۡبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ ۞ (الرعد)

"اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر نالے اپنی اپنی مقدار کے مطابق بہہ نکلے۔ پھر سیلاب نے ابھرتے جھاگ کو اٹھالیا۔ اور اسی طرح کا جھاگ ان چیزوں میں بھی ابھر آتا ہے جنہیں لوگ زیور یا اسباب بنانے کے لئے آگ میں پگھلاتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔ پس جھاگ تو سوکھ کر رہ جاتا ہے۔ اور جو چیز انسانوں کو نفع پہنچانے والی ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے اللہ اس طرح مثالیں بیان فرماتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اس تمثیل سے انسانیت کو عروج وزوال کا ایک بنیادی نقطہ سمجھایا ہے کہ اس دنیا میں صرف وہی شخص یا قوم باقی رہتی ہے جو دوسروں کے لئے نفع بخش اور سودمند ہو۔ جو فرد یا گروہ دوسرے انسانوں کو نفع پہنچانے کی طاقت سے محروم ہو جائے۔ اس کے لئے خدا کی بنائی ہوئی کائنات میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

حق کی بقا کا راز یہ ہے کہ دوسروں کے لئے فائدہ مند ہونا اس کی فطرت ہے اور باطل اسی لیے مٹ جاتا ہے کہ اس کی فطرت کا خمیر ہوا و ہوس اور خود غرضی سے اٹھایا جاتا ہے۔ ملت اسلامیہ کے عروج وزوال کی ساری داستان اسی ایک نکتہ میں مضمر ہے اس کی

کچھ تفصیل ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کے خوبصورت اور زوردار الفاظ میں سنئے۔

''اپنے عہد عروج میں جہاں جہاں بھی مسلمان گئے۔ جہالت کے اندھیروں میں علم و عرفان کے چاند روشن کرتے رہے۔لق و دق صحرا مرغزاروں اور لالہ زاروں میں بدل گئے۔ان کے اٹھارہ سالہ بچے مشرق و مغرب کے مظلوموں اور ستم زدوں کی امداد کے لئے پہنچے۔اور انہیں ظلم واستبداد کی زنجیروں سے آزاد کرایا۔اگر ان کے عالم تحقیق واجتہاد سے علم وحکمت کے گلستانوں میں تازہ پھول کھلا رہے تھے تو ان کا ایک کاشتکار اور باغبان بھی اپنے ذوق تجدید کی تسکین کے لئے پھلوں پھولوں اور اناجوں میں عمدہ سے عمدہ قسمیں پیدا کر رہا تھا۔ان کا طبیب اگر امراضِ جسمانی کی تشخیص میں سب سے گوئے سبقت لے گیا تھا۔تو ان کا صوفی روحانی امراض کی چارہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔جب تک اس قوم کا وجود خیر و برکت کا چشمہ رہا۔اس کی پیش قدمی کو روکنے کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی۔اور جب اس کی صلاحیتیں سہل انگاری کا شکار ہو گئیں۔جب اس کا نشتر تحقیق کند ہو گیا اور جذبہ اجتہاد ٹھنڈا پڑ گیا۔ جب اس کے حوصلے پست اور ولولے سرد ہو گئے۔ جب اس کے نوجوانوں کو شمشیر وسناں سے نفرت اور طاؤس ورباب سے پیار ہو گیا۔تو پھر اما الذبد فیذھب جفاء کے اصول کے مطابق انہیں تخت وتاج سے دستبردار ہونا پڑا۔الحمرا کی دیواروں کے سایوں میں ان کے بوڑھوں اور بچوں کو بیدردی سے ذبح کر دیا گیا۔شاہی محلات میں شہزادیوں کی عصمتیں لوٹی گئی۔اور انہیں اندلس کی سرزمین سے جہاں انہوں نے نوسوسال تک حکومت کی تھی نکلنا پڑا۔یہی حال ہندوستان اور دوسری جگہوں پر ہوا۔

''عزت وکرامت کی وہ قبا زریں جو ان کے آباؤ اجداد نے بڑی محنت ومشقت سے حاصل کی تھی۔وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے اتار کر دوسروں کو دینی پڑی۔یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔اس میں کسی قوم یا فرد کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔اگر تم اپنی موجودہ حالت پر خوش نہیں ہو تو منہ بسورتے یا سرد آہیں بھرنے سے کچھ نہیں بنے گا۔اپنے آپ کو بدلئے زمانہ خود بخود بدل

جائے گا۔ یہی سبق ابھی قرآن نے آپ کو پڑھایا ہے ان اللہ لا یغیر مابقوم الأیۃ اور یہ بھی اب آپ کو بتا دیا گیا کہ قوم ہو یا فرد بقاء دوام اس کے لیے ہے۔ عزت کی بلندیاں اس کے لیے ہیں جس سے خلق خدا کو فائدہ ہو۔ آؤ اپنے آپ کو اس کی مخلوق کے لئے نفع رساں بنائیں آؤ اپنی صلاحیتوں کی برتری، اپنی سیرت کی پاکیزگی، اپنے عزائم کی پختگی اور حق کے لیے جینے اور حق کے لئے مرنے کا ثبوت بہم پہنچائیں۔ دنیا خود ہی آپ کو اپنی آنکھوں پر بٹھائے گی.........."۔(1)

چونکہ عروج اور ترقی کا راز خلق کی نفع رسانی میں ہی مضمر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے امت کو مختلف زاویوں سے خلق کی نفع رسائی کا حکم دیا۔ تاکہ اس امت کو استحکام ملے اور یہ ترقی کی منزلیں طے کرتی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جن مختلف پہلوؤں سے انسانیت کے لئے فائدہ مند بننے کا حکم دیا ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(1) امر بامعروف و نہی عن المنکر

کسی بھی انسان کا سب سے بڑا فائدہ اور نفع یہ ہے کہ شر کو چھوڑ کے خیر کا رسیا ہو جائے وہ بدی کی راہوں سے متنفر ہو جائے اور اسے نیکی کے راستوں سے محبت ہو جائے۔ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو اپنے ہر ماننے والے کو حکم دیتا ہے کہ وہ انسانیت کو یہ فائدہ پہنچائے۔ کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو کسی قبیلے، خاندان یا علاقے کی حد بندیوں سے آزاد ہے اور عالمگیر ہے۔ اسلام نے اپنے ہر ماننے والے کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور بدی سے روکے۔ ایک مقام پر اس امت کی افضلیت کا راز اسی چیز کو قرار دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ (آل عمران:110)

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے واسطے نکالا گیا ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور

1۔ضیاء القرآن، جلد2، صفحہ 404

برائی سے روکتے ہو"۔

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انفرادی سطح پر تو ہر بندہ خیر کی دعوت دینے اور بدی کے خلاف جدوجہد کرنے کا مکلف ہے۔لیکن امت مسلمہ میں ایک مخصوص گروہ ایسا بھی ہونا چاہیے جو خصوصی طور پر یہ فریضہ سرانجام دے تا کہ انسانیت شرّ سے محفوظ اور خیر کے دامن میں آجائے۔وہ اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران)

"اور ضروری ہے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو نیکی کی طرف بلائے، بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے"۔

یعنی جو لوگ انسانیت کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے کوشش کریں گے انہیں بدی سے بچانے اور نیکی کا خوگر بنانے کے لئے جدوجہد کریں گے وہی لوگ کامیاب ہوں گے اور عزتیں پائیں گے کیونکہ یہاں ترقی کا راز خلق کی نفع رسانی ہی ہے۔

(2) حکومت الٰہیہ کا قیام

انسان کا بنایا ہوا ہر قانون ناقص بھی ہوتا ہے اور کسی ایک طبقے کو نواز کر باقیوں کا استحصال کرنے والا بھی۔تاریخ عالم کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اور نظام ہہائے حکومت نے انسانیت پر بے تحاشا ظلم کیے۔کہیں انسانیت کو متاعِ بازار بنایا گیا اور کہیں اس سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا گیا۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ زمین پر حکومت الٰہیہ اور خدائی بادشاہی قائم کریں۔تا کہ انسانیت شاہوں کے ظلم اور حکمرانوں کے استحصال سے محفوظ ہو جائے۔اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی ایک نشانی یہ بتاتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ
أَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ

"یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار دیں۔تو وہ نظام صلوٰۃ کو قائم کریں گے۔زکوٰۃ ادا کریں گے۔معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے"۔(الحج)

حکومت الٰہیہ کا قیام خلق کی نفع رسانی کا بہت بڑا ذریعہ ہے جیسے کہ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ اسلام سے قبل انسانیت پر جو مختلف طریقوں سے ظلم و ستم ڈھائے جا رہے تھے الٰہی حکومت کے قیام نے ہی انسانیت کو ان سے نجات دی تھی اس کا فیض انہیں تو ملا ہی تھا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔لیکن جنہوں نے اسلام نہ بھی قبول کیا تھا وہ بھی اس کے فیض سے بہرہ مند ہوئے تھے۔

بقول مولانا حالی

گھٹا اک پہاڑوں کے بطحا سے اٹھی
پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی
جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہباں
ہو گلہ کا جیسے نگہباں چوپاں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم یکساں
نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں
کنیز اور بانو تھی آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

(3) صبر واستقامت کی تلقین

کسی بھی بڑے آدمی کو بڑا مادی وسائل یا ظاہری ذرائع نہیں بناتے بلکہ وہ ذہنی رجحان اور فکر مستقیم بناتی ہے جو اس جسدِ خاکی میں بے بہا عمل کی ایک روح پھونک دیتی ہے۔ قرآن کریم اہل ایمان کی فکر اس سانچے میں ڈالتا ہے کہ وہ یقین محکم اور عمل پیہم کے پیکر بھی بن جاتے ہیں اور نہ صرف خود صبر واستقامت کے ہمالہ بن جاتے ہیں بلکہ پوری منصوبہ بندی سے دوسروں کو حق پر ڈٹ جانے اور باطل کے مقابلہ میں استقامت کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں قرآن کریم بہت زور دیکر کہتا ہے کہ جن لوگوں میں یہ صفات نہ پائی جائیں وہ خائب وخاسر ہوتے ہیں اور انہیں صفات کے حامل کامیاب وکامران ہوتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر)

''قسم ہے زمانہ کی۔ بے شک انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے۔ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی''۔

یعنی کامیابی پانے کے لئے ضروری ہے کہ ایک تو انسان خود یقین کی دولت سے مالا مال ہو۔ اور پھر وہ اسی راستے پر چلے جو ایمان کا راستہ ہے۔ جس قوم میں یہی صفات پیدا ہو جائیں آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ مخلوق کے لئے کس قدر فائدہ مند ہوگی اور وہ مخلوق کی بھلائی کی کتنی خواہاں ہوگی۔

لیکن کامیابی پانے والوں کی صفات کوئی اسی پر ختم نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ یہ چیزیں ان کے دلوں میں اتنی شدت اور وارفتگی کے ساتھ اتر جاتی ہیں کہ وہ ان کے مبلغ اور داعی بن جاتے ہیں اور خلائق کو بڑے گہرے درد کے ساتھ ان کی تلقین کرتے رہتے ہیں مخلوق کی فکر کو حق اور صبر کے سانچے میں ڈالنا۔ اس سے بڑا مخلوق کا کوئی اور نفع متصور نہیں ہو سکتا۔ اسی

سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی نفع رسانی کے لئے امت مسلمہ کو کتنی تاکید سے حکم دیتا ہے کیونکہ کامیابی کا راز یہی ہے۔

علامہ اقبال کا یہ شعر شاید اسی قرآنی فکر سے مستنیر ہے

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(4) احترام انسانیت

قرآن کریم اہل ایمان کو خلق کے لئے سود مند بنانے کے لئے احترام انسانیت کا درس دیتا ہے۔ کیونکہ جب فکری طور پر اس بات کو قلوب واذہان میں راسخ کر دیا جائے کہ انسان بحیثیت انسان معزز ہے تو اس میں مخلوق خدا کے لئے ایک امن وآشتی کا پیغام بھی ہے اور اطمینان وسکون کی نوید بھی۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس پہلو سے بھی اہل ایمان کو مخلوق کے لئے نفع مند بننے کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ
الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۝ (الاسراء)

"اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی۔ اور انہیں خشکی اور تری میں سوار کیا۔ اور انہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی"۔

انسانی جان کے احترام سکھاتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ
جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ (مائدہ:32)

"جو شخص کسی کو قتل کرے۔ بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو۔ تو گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا۔ اور جس نے کسی ایک شخص کی جان بچائی۔ گویا اس نے پوری انسانیت کی جان بچائی"۔

احترام انسانیت کا درس دیتے ہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بڑی تاکید سے حکم دیتا ہے

کہ

کسی کا مذاق نہ اڑاؤ۔

کسی کو طعنہ نہ دو۔

ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔

افواہوں کو بغیر تحقیق کے نہ مانو۔

دو لڑے ہوؤں میں صلح کروانے کے لئے پوری طاقت استعمال کرو۔

زیادتی کرنے والے کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ۔

بدگمانی سے بچو۔

تجسس نہ کرو۔

اور

کسی کی غیبت نہ کرو۔(مفہوم)(الحجرات:10-1)

انسانیت کا یہی احترام نفع خلائق کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اہل ایمان کو اس کی اتنی تاکید اس لیے کی گئی کہ یہی کامیابیوں اور کامرانیوں کے باب وا کرتا ہے۔

(5) انصاف کی فراہمی

اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو خلق کے لئے سودمند بنانے کے لئے ایک حکم یہ بھی دیتا ہے کہ تم ہر حال میں عدل وانصاف کا دامن پکڑے رکھو۔ اگرچہ تمہیں اپنے دشمن کے خلاف ہی فیصلہ کرنا پڑے۔ اور تمہارا فکری مخالف ہو یا مذہبی دشمن تم نے انصاف کا دامن نہیں چھوڑنا۔ اور مخلوق کو تم سے ہر حال میں انصاف کا فیض ملنا چاہیے۔ جیسا کہ حضور سید عالم ﷺ نے ایک (بظاہر) مسلمان کے خلاف اور ایک یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ کیونکہ اس مقدمہ میں یہودی سچا تھا۔ اور جب حضرت علیؓ اپنے دور خلافت میں ایک زرہ کے مقدمہ میں ایک یہودی کے حق میں فیصلہ کیا۔ کیونکہ نصابِ شہادت پورا نہیں تھا۔ یہ الگ بات کہ

اس مقدمہ میں بھی حضرت علی حق پر تھے لیکن جب نصابِ شہادت پورا نہ ہونے کے سبب یہودی کے حق میں فیصلہ ہوا۔ تو وہ یہودی اسلام کے اس نظام عدل سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اہل ایمان کے عدل و انصاف کے یہ مظاہر ہے دراصل اسی فکری منہج کا نتیجہ ہے۔ جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے یوں دیا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝ (مائدہ)

”اے ایمان والو! اللہ کے لئے قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو۔ اور کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اس پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو۔ یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے۔

(6) نفع خلائق کے چند دیگر مظاہر

خلق خدا کی نفع رسانی کی یہی وہ فکری منہج ہے۔ جس پہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو گامزن کیا۔ اور اہلِ ایمان مخلوق کی نفع رسانی کے بے پناہ جذبوں سے بے تاب ہو کر نکلے۔ انہوں نے دنیا سے ظلم کا خاتمہ کیا، علم کے دریا بہائے حکمت کے موتی لٹائے، جہالت کی شب دیجور کو صبح درخشاں میں بدل دیا، انسانیت کو ظلم و ستم کے شکنجوں سے نجات دی اور انہیں امن و اطمینان کے فضاؤں میں بسا دیا۔ خلقِ خدا کو ان سے کیا کیا فوائد ملے۔ ان کی ایک جھلک مولانا حالی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

لیے علم و فن ان سے نصرانیوں نے
کیا کسب اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے
کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے

ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا
فلاطون کو زندہ پھر کر دکھایا
ہر اک شہر و قریہ کو یوناں بنایا
مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا

کیا ہر طرف پردہ چشم جہاں سے
جگایا زمانے کو خواب گراں سے

کیا جا کے آباد ہر ملک ویراں
مہیا کیے سب کی راحت کے ساماں
خطرناک تھے جو پہاڑ اور بیاباں
انہیں کر دیا رشک صحن گلستاں

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

یہ ہموار سڑکیں یہ راہیں مصفا
دو طرفہ برابر درختوں کا سایا
نشاں جا بجا میل و فرسخ کے برپا
سر راہ کوئیں اور سرائیں مہیا

انہیں کے ہیں سب نے یہ چربے اتارے
اسی قافلہ کے نشاں ہیں یہ سارے

نہیں اس طبق پر کوئی براعظم
نہ ہوں جس میں ان کی عمارات محکم
عرب، ہند، مصر، اندلس، ہشام، دیلم
بناؤں سے ہیں ان کی معمور عالم

سرکوہ آدم سے تاکوہ بیضا
جہاں جاؤ کے کھوج پاؤ کے ان کا

زمانے میں پھیلی طب ان کی بدولت
ہوئی بہرہ ور جس سے ہر قوم و ملت
نہ صرف ایک مشرق میں تھی ان کی شہرت
مسلم تھی مغرب تک ان کی خلافت

سلرنو میں جو ایک نامی مطب تھا
وہ مغرب میں عطا مشکِ عرب تھا

ابو بکر رازی علی ابن عیسی
حکیم گرامی حسین ابن سینا
حنین ابن اسحٰق قسیس دانا
ضیا ابن بیطار راس الاطبا

انہیں کے ہیں مشرق میں سب نام لیوا
انہیں سے ہوا پار مغرب کا کھیوا

قرآن مجید وضاحت فرماتا ہے کہ ترقی کا راز نفع خلائق میں مضمر ہے۔ امتِ مسلمہ نے اسی کو اپنا مقصد و مدعا بنالیا۔ نتیجہ یہی نکلا کہ یہ قوم پوری دنیا پے چھا گئی۔ اور کائنات ان سے فیض یاب ہوئی۔

اب ہم میں سے ہر ایک کو سوچنا چاہیے کہ ہماری کوششوں میں خلق کی نفع رسانی کا کتنا

حصہ ہے؟ کہ ہم اپنے لیے جی رہے ہیں یا دوسروں کے لئے؟ کیا ہم نفع خلائق کے ان طریقوں کو اپنائے ہوئے ہیں جن کا حکم قرآن مجید نے دیا ہے؟

اگر ہم فقط اپنے لیے ہی جی رہے ہیں۔ ہماری تمام کوششیں اور محنتیں ہمارے اپنے مفادات کے محور کے گرد ہی گھوم رہی ہیں۔ تو یقین فرمایئے امت مسلمہ کے زوال میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ کیونکہ قومیں افراد سے ہی بنتی ہیں۔

کاش! ہم قرآن مجید کے بتائے ہوئے ترقی کے اس راستے پر گامزن ہوں۔ نفع خلائق کی شاہراہوں پر چل نکلیں اپنے مفادات سے اوپر اٹھ کر جینے کا سلیقہ سیکھیں۔ تاکہ ہمیں ہماری عظمت رفتہ دوبارہ مل سکے۔ کیونکہ قرآن مجید جو وضاحت فرماتا ہے کہ دنیا میں وہی قومیں باقی رہتی ہیں جو دوسروں کے لئے جیتی ہیں۔

(2) قدر نعمت عروج اور کفران نعمت زوال لاتا ہے

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اور اس کے کسی کام کے بارے میں سوال نہیں کیا جاتا تاہم وہ اس کائنات کو اپنے چند اصولوں اور ضوابط کے تحت چلاتا ہے جنہیں سنۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اسے عزت وکرامت عطا فرماتا ہے اور اسے ترقی وعروج کا شرف عطا فرماتا ہے۔ تو جب وہ اپنے اعمال وکردار سے اپنے آپ کو ان عزتوں اور کرامتوں کا اہل ثابت نہیں کرتی ان کے رویئے اور اطوار اس شرف کے منافی ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان سے عزتوں اور شرافتوں کے تاج چھین لیتا ہے۔ کیونکہ جو رب قدر دے سکتا ہے وہ لے بھی سکتا ہے۔ عزتوں کو برقرار رکھنے کے لئے جو قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ جن جانفشانیوں کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے جب کوئی قوم ان قربانیوں اور جانفشانیوں کی روشن شاہراہوں کو چھوڑ کر لہو ولعب کو اپنا لیتی ہے۔ سستی اور تسہل پسندی کی روش اختیار کر لیتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ صرف "پدرم سلطان بود" کے نعرے سے ہی زمانہ ان کے سامنے جھکا رہے یا وہ صرف ماضی کا رونا ہی روتی رہتی ہے۔ اللہ کے قانون کے تحت اسے عزتوں

سرفراز رہنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
خون افشانی ہے لازم اشک افشانی کے ساتھ

اللہ تعالیٰ صرف مسلمانوں کا رب نہیں ہے وہ رب العالمین ہے ساری مخلوق اس کی مخلوق ہے۔ اور بقول ممتاز مفتی وہ ''پارٹی سپرٹ'' سے بھی مبرہ ہے۔ جو بھی قوم اپنے آپ کو اس قانون کے تحت عزتوں کا اہل ثابت کرے گی وہ عزتیں پائے گی اور جو عزتیں پانے کے اس معیار پر پورے نہ اترے گی ذلیل و خوار ہو جائے گی۔

عروج و زوال کے قانون کی یہ شق قرآنِ حکیم میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے،

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا
مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ (انفال)

''اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس انعام کو جو وہ کسی قوم پر کرتا ہے اس وقت تک نہیں بدلتا۔ جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدل لیں۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے''۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ
اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝

''بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا۔ جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کر لیتے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر آفت لانا چاہتا ہے تو کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ اور نہ ہی ان کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کوئی مدد کرنے والا ہوتا ہے''۔ (رعد)

کسی نعمت کی قدر یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق تصرف کیا جائے اور

اس کا کفران یہ ہے کہ اسے اپنے مفادات کے حصول اور انا پرستی کا ذریعہ بنا لیا جائے مثلاً ایک بندے کو اللہ تعالیٰ ایک اعلیٰ منصب دیتا ہے اب اس کی قدر یہ ہے کہ اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لاکر اپنے فرائض سرانجام دے۔ اور فرائض کی ادائیگی میں اپنی انا، اپنے مفادات، اپنے تحفظات اور اپنے عزیز واقارب کو آڑے نہ آنے دے اور عہدوں پر تقرر کے معاملہ میں قابلیت کو معیار بنائے نہ کہ واقفیت اور رشتہ داری کو۔

اور اس کا کفران یہ ہے کہ اس منصب کو اپنے مفادات کے حصول کا ہی ذریعہ بنالے۔ اپنی انا کی تسکین کے لئے دوسروں پر ظلم وستم ڈھانا شروع کردے۔ اور اقتدار کے بل بوتے پر ظلم وجور کے بازار گرم کردے۔ علم کی قدر یہ ہے کہ اس سے خلقِ خدا کی رہنمائی کی جائے اور کفران یہ ہے کہ اسے صرف مال ودولت کے حصول اور شہرت وناموری کا ذریعہ بنالیا جائے قس علی ھذا

قرآن مجید کہتا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کسی قوم کو کوئی نعمت دیتا ہے تو جب وہ قوم ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ نعمت چھین لیتا ہے اور نعمتوں کی قدردانی عزتوں میں مزید اضافہ کردیتی ہے۔

امام فخر الدین رازی مذکورہ آیت طیبہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فکلام جمیع المفسرین یدل علی ان المراد لا یغیر ما ھم فیہ من النعم بانزال الانتقام الا بأن یکون منھم المعاصی و الفساد(1)

''تمام مفسرین کا کلام اس پہ دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی نعمتوں کو انتقام کے ساتھ اسی وقت بدلتا ہے جب اس قوم میں معصیت اور فساد آجاتا ہے''۔

معصیت اور فساد صرف یہی نہیں کہ بندہ نماز نہ پڑھے یا روزہ نہ رکھے بلکہ عہدوں کی

تقسیم میں قابلیت کو معیار نہ بنانا۔ اپنے منصب کے بل بوتے پر رشوت اور حرام خوری کا رستہ اختیار کر لینا، علم کو مخلوق کی رہنمائی کے لئے نہیں بلکہ صرف دنیا کمانے کے لئے استعمال کرنا، سیاسی قابلیت اور وسائل کو صرف ملک لوٹنے کا ذریعہ بنانا، بغیر واقفیت کے کسی کا جائز کام بھی نہ کرنا اور واقفیت کے سبب ناجائز کام بھی کر دینا یہ سب بھی گناہ اور فساد کی چند مثالیں ہیں۔ اور قرآن کریم کے ضابطے کے مطابق یہی چیزیں قوموں کی نیا ڈبو دیتی ہیں۔ آیئے ہم سب اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور سوچیں کہ ہم کہیں زوال امت مسلمہ میں برابر کے شریک تو نہیں؟

(3) اہل خیر اور خیر کا ختم ہو جانا زوال کی علامت ہے

قوموں کی تباہی کے سلسلہ میں قرآن مجید یہ ضابطہ بھی بڑی وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ جب کسی بھی قوم سے ایسے افراد کا خاتمہ ہو جائے جو نفسانی خواہشات میں ڈوبی ہوئی قوم کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے میں مگن رہتے ہوں۔ بگڑی ہوئی قوم کے اخلاق سنوارنے کی فکر جن سے دنوں کا چین اور راتوں کا سکون چھین لیتی ہو۔ جو بڑی جانفشانی اور سوز دروں سے لوگوں کو نیکی اور خیر کی طرف بلانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہوں۔ اگر کچھ اللہ کے بندے یہ فریضہ سرانجام دیں بھی تو وہ اتنے کم ہوتے ہیں کہ ان کی پکار صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے اور وہ قوم کے مجموعی مزاج پہ کوئی اثر ڈالنے میں ناکام رہتے ہیں۔ جب اہل خیر کا اس طرح فقدان ہو جائے اور پوری قوم اخلاق کی نعمت سے محروم ہو جائے۔ نیکی اور احسان کے راستوں سے منہ موڑ کر ظلم و سرکشی کے راستوں پر چل نکلے۔ تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ایسی قوم بھی تباہ و برباد کر دی جاتی ہے یا عذاب استیصال سے یا کوئی دوسری قوم اس پہ مسلط کر کے۔ بہر حال اہل خیر اور خیر کا کسی قوم سے اٹھ جانا اس قوم کی بربادی اور زوال کا دوسرا نام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ

الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ۝ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ۝ (ہود)

''پس ایسا کیوں نہ ہوا۔ کہ تم سے پہلی قوموں میں ایسے اہل خیر موجود ہوتے۔ جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے۔ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم۔ جنہیں ہم نے ان قوموں میں سے بچالیا۔ اور ظالم لوگ تو اسی عیش میں پڑے رہے۔ جن کا سامان انہیں فراوانی سے دیا گیا تھا اور وہ مجرم بن کر رہے۔ اور تیرا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ناحق تباہ کردے حالانکہ اس کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں''۔

یہاں ان کی تباہی کے دو اسباب بتائے جارہے ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جن نعمتوں سے نوازا تھا انہوں نے انہیں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنیاد بنالیا۔ اور ان میں ایسے لوگ نہ رہے جو انہیں غلطیوں پر ٹوکتے اور خیر کی طرف دعوت دیتے۔ اور دوسرا یہ کہ وہ قوم مجموعی طور پر اخلاق کی قوت سے محروم ہوگئی۔ اور جب پوری قوم اخلاق عالیہ کھو بیٹھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کردیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

(اقبال)

مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ قومیں صرف شرک کی وجہ سے تباہ نہیں ہوتیں بلکہ اس وقت تباہ ہوتی جب وہ معاملات میں صالح نہیں رہتیں امام فخر الدین رازی اسی آیہ کریمہ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ۝ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ان المراد من الظلم ههنا الشرك قال تعالىٰ (ان الشرك لظلم عظيم) و المعنى انه تعالىٰ لا يهلك اهل القرى

بمجرد کو نہم مشرکین اذا کانوا مصلحین فی المعاملات فیما بینہم۔ و الحاصل ان عذاب الاستئصال لاجل کون القوم معتقدین للشرک و الکفر بل انما ینزل ذالک العذاب اذا ساؤا فی المعاملات و سعوا فی الایذء و الظلم۔ و لہذا قال الفقہاء ان حقوق اللہ تعالیٰ مبنا ھا علی المسامحۃ و المساھلہ و حقوق العباد مبنا ھا علی الضیق و الشح۔ ویقال فی الاثر الملک یبقی مع الکفر و لایبقی مع الظلم۔ فمعنی الأیۃ (و ما کان ربک لیھلک القری بظلم) ای یھلکھم بمجرد شرکھم اذا کانوا مصلحین یعامل بعضھم بعضاً الصلاح و السداد و ھذا تاویل اھل السنۃ لھذہ الأیۃ قالوا و الدلیل علیہ ان قوم نوح و ھود و صالح و لوط و شعیب انما نزل علیھم عذاب الاستیصال لماحکی اللہ عنھم من ایذاء الناس و ظلم الحق(1)

"یہاں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بستیوں کو صرف مشرک ہونے کے سبب تباہ نہیں کرتا جب کہ وہ باہمی معاملات میں اصلاح کرنے والے ہوں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کسی بھی قوم پر عذاب استیصال صرف کفر یا شرک کے سبب نہیں آتا بلکہ اس وقت آتا ہے جب وہ معاملات میں بے انصافی کریں اور ظلم و ستم میں کوشاں رہیں اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ حقوق اللہ میں کوتاہی کی بنیاد سستی اور کاہلی ہوتی ہے اور حقوق العباد میں کوتاہی کی بنیاد بخل اور ظلم ہوتا ہے۔ منقول ہے

1۔ تفسیر کبیر، جلد 18، صفحہ 76

کہ حکومت کفر کے ہوتے ہوئے چل سکتی ہے لیکن ظلم کے ہوتے ہوئے نہیں چل سکتی۔ پس اس آیہ کریمہ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صرف شرک کی وجہ سے تباہ نہیں کرتا۔ جب کہ وہ باہمی معاملات میں انصاف اور اصلاح کرنے والے ہوں۔ اور اہل سنت کے نزدیک اس آیت کا یہی مطلب ہے۔ انہوں نے کہا اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت نوح، ھود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کی قوموں پر عذاب استیصال اس لیے آیا کہ وہ لوگوں کو دکھ پہنچاتے تھے اور حق پے ظلم کرتے تھے"۔

قوموں کی تباہی کے یہ حقائق واضح ہو جانے کے بعد ہمیں غور کرنا چاہیے کہ الا ماشاء اللہ جس قوم کے علماء مذہب کے روپ میں تجارت کر رہے ہوں۔ پیران عظام اپنی عقیدتوں کو جی بھر کے کیش کر رہے ہیں ہوں، اشرافیہ نہ صرف خود گمراہ ہوں بلکہ گمراہیوں کو پھیلانے میں بنیادی کردار ادا کر رہے ہوں، سیاستدان ملک لوٹنے اور اپنے مخالفین کو ذلیل کرنے میں مگن ہوں اور جس قوم کے حکمران مرہبی ہوں اور عیاش بھی، تاجر بد دیانت بھی ہوں اور ظالم بھی اور عوام سہل پسند بھی ہو اور اپنے مفادات کو نہ صرف ملک بلکہ دین پر ترجیح دینے والے بھی۔ اس قوم کو اپنی پستیوں اور ذلتوں پر نہ تعجب کرنا چاہیے اور نہ افسوس۔ ہاں اگر کچھ کرنے والا کام ہے تو ہر شخص کو ایک زندہ اور جاندار کردار ادا کرنا چاہیے۔

یہ ہے دامن یہ ہے گریباں آؤ کوئی کام کریں
موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

اور

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

(4) حاملین کتاب کا کتاب سے انحراف اور فساد برپا کرنا انکے تنزل کا سبب ہوتا ہے

انسانیت کا سب سے خوش قسمت طبقہ وہ ہوتا ہے جو کسی آسمانی کتاب کا حامل ہوتا ہے۔

وہ زندگی کے ہر میدان میں دوسرے سب لوگوں سے سبقت لے جاتا ہے کیونکہ وہ ربانی ہدایات کے مطابق چل رہا ہے۔ انہیں نت نئے تجربات کر کے اپنا وقت برباد کرنا پڑتا ہے اور نہ محنت۔ کیونکہ وحی الٰہی انہیں زندگی کے ہر میدان میں سیدھا اور سچا راستہ دکھا دیتی ہے۔

لیکن جب کسی آسمانی کتاب کی حامل قوم ربانی ہدایات کو پس پشت ڈال کر زمین میں گناہ وعصیان اور فتنہ وفساد کے شعلے بھڑکاتی ہے یا وحی الٰہی کی تعلیمات سے منہ موڑ کر اپنی خواہشات کے مطابق ایک خود ساختہ دین بنا لیتی ہے تو یہ چیز کتاب الٰہی کی بہت بڑی بے قدری ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت کا بہت بڑا کفران۔ تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو سزا دیتا ہے۔ تاریخ عالم پر غور کرنے سے محسوس یوں ہوتا ہے کہ جیسے انبیاء کرام کے منکرین ظلم وسرکشی کی وجہ سے عذاب استیصال سے تباہ کیے جاتے ہیں جیسا کہ قوم نوحؑ، قوم لوطؑ اور قوم شعیبؑ کے ساتھ ہوا۔ ایسے ہی جب حاملینِ کتاب کتاب الٰہی سے منہ موڑ لیتے ہیں اور ظلم وسرکشی کے مرتکب ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی سزا دیتا ہے لیکن یہ سزا عذاب استیصال کی شکل میں نہیں ہوتی کیونکہ ان کے جرم کی نوعیت ان سے مختلف ہوتی ہے۔ انہیں سزا اس صورت میں دی جاتی ہے کہ ان پر کسی ظالم قوم کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ وہ ظالم ان فاسقوں کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ وہ ظالم اس حال میں بھی ظالم ہی رہتے ہیں کوئی بارگاہِ الٰہی کے محبوب نہیں بن جاتے۔ اور نہ ہی یہ چیز ان کے لیے کوئی باعثِ عزت وشرف ہوتی ہے لیکن یہ فاسق حاملین کتاب پر عذاب الٰہی کی شکل میں مسلط ہوتے ہیں۔ جیسے اگر کسی مجرم کو جوتے مارے جائیں۔ تو جوتا، جوتا ہے۔ اس کا کوئی مقام ومرتبہ نہیں بڑھ گیا لیکن یہ اس انسان مجرم پر بطور سزا مسلط ہو گیا ہے۔ تو یہ ظالم قوم بھی اس وقت ان پر بطور سزا مسلط کی جاتی ہے بقول فیلسوف اسلام حضرت اقبال

کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنون پیدا
اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

اس وقت کان رکھنے والے فضائے بسیط سے گونجتی اس صدا کو سن سکتے ہیں یا ایہا

الکفرہ اقتلوا الفجرۃ" اے کافر! ان فاجروں کو قتل کر دو"۔

اس قانون کی سب سے واضح مثال جو قرآن مجید نے دی وہ قوم بنی اسرائیل کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے پناہ عزتیں عطا فرمائیں۔ اپنی کتاب سے نوازا۔ انہیں جو مقام ومرتبہ عطا کیا وہ قرآن مجید کے الفاظ میں سنیے۔

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ۝ (الاعراف)

"اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ہم نے انہوں اس سرزمین کے مشرقوں اور مغربوں کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔ اور بنی اسرائیل پر تیرے رب کا نیک وعدہ پورا ہو گیا۔ بسبب اس کے کہ انہوں نے صبر کیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ برباد کر دیا جو وہ بناتے تھے اور جو وہ چڑھاتے تھے"۔

ان کے صبر کے سبب نصرتِ الٰہی نے ان کی دستگیری اس شدت کے ساتھ کی جو اس آیہ کریمہ میں بیان کی گئی۔ لیکن جب اسی قوم نے کتاب الٰہی کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال کر گناہوں اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا۔ زمین میں فتنہ وفساد برپا کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ظالموں کو مسلط کیا جنہوں نے انہیں تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا۔

قرآن مجید اس اہم خدائی قانون کو یوں بیان کرتا ہے

وَ قَضَیْنَاۤ اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِیْرًا۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَیْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِیْرًا۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ

لِأَنْفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا
وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا
مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۝ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا ۘ
وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝ (الاسراء)

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں بتا دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے پھر جب ان میں سے پہلا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے نہایت زور والے بندے بھیجے۔ وہ گھروں میں گھس پڑے اور شدنی وعدہ پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے تمہاری باری ان پر لوٹا دی۔ اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہیں زیادہ بڑی جماعت بنا دیا۔ اگر تم اچھا کام کرو گے تو اپنے لیے کرو گے اور اگر برا کرو گے تب بھی اپنے لیے کرو گے۔ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے اور بندے بھیج دیئے) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں۔ اور مسجد (بیت المقدس) میں گھس جائیں جس طرح اس میں پہلی بار گھسے تھے۔ اور جس چیز پر ان کا زور چلے اسے برباد کر دیں۔ بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہارے اوپر رحم کرے۔ اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہیں کریں گے اور ہم نے جہنم کو منکرین کے لئے قید خانہ بنا دیا ہے''۔

ان آیات طیبات کی مزید تفصیلات سے قبل ایک حدیث پاک کا مفہوم ملاحظہ ہو جو ان آیات طیبات کی تفسیر بھی کرتی ہے اور ان کے بنیادی مقصد و مدعا کو بیان بھی کرتی ہے۔

''حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ بیت المقدس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظمت والی مسجد ہے۔ آپ نے فرمایا وہ دنیا کے سب گھروں میں ایک عظمت و بزرگی والا گھر ہے۔

جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے سونے، چاندی، جواہرات اور یاقوت و زمرد سے بنایا تھا۔ اور یہ اس طرح ہوا کہ جب حضرت سلیمانؑ نے اس کی تعمیر شروع

کی۔تو اللہ تعالیٰ نے جنات کو ان کے تابع کر دیا۔ جناب نے یہ تمام جواہرات ،سونا اور چاندی جمع کیے اور ان سے یہ مسجد تعمیر کی۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ پھر بیت المقدس سے یہ سونا اور چاندی کہاں چلے گئے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ، گناہوں اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو گئے۔ انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط کر دیا۔ جو مجوسی تھا۔ اس نے سات سو برس بیت المقدس پر حکومت کی اور قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ سے یہی واقعہ مراد ہے۔ بخت نصر کا لشکر مسجد میں داخل ہو گیا۔ اس نے مردوں کو قتل کیا۔ عورتوں اور بچوں کو قید کیا اور بیت المقدس کے تمام اموال سونے ، چاندی اور جواہرات کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں میں بھر کر لے گیا اور اپنے ملک بابل میں رکھ لیا۔ اس نے سو برس تک بنی اسرائیل کو اپنے غلام بنائے ان سے ذلت آمیز مشقت لیتا رہا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کیا۔ جس نے بابل کو فتح کیا اور باقی ماندہ بنی اسرائیل کو اس کی قید سے آزاد کرایا۔ اور بیت المقدس کا لوٹا ہوا مال واپس بیت المقدس میں پہنچایا۔ اور پھر بنی اسرائیل کو حکم دیا۔ کہ اگر تم پھر نافرمانی اور گناہوں کی طرف لوٹ گے۔ تو ہم بھی پھر تم پر قتل و قید کا عذاب لوٹا دیں گے۔

قرآن مجید کی آیت عسی ربکم ان یرحمکم و ان عدتم عدنا سے یہی مراد ہے۔

پھر جب بنی اسرائیل بیت المقدس میں لوٹ آئے۔ تو پھر گناہوں اور بداعمالیوں میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر شاہِ روم قیصر کو مسلط کر دیا۔ قرآن کریم کی آیت فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ سے یہی مراد ہے۔ شاہِ روم نے ان لوگوں سے بری اور بحری دونوں راستوں سے جنگ کی۔ اور بہت سے لوگوں کو قتل اور قید کیا۔ اور سونے ، چاندی اور جواہرات کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں پر بھر کر لے گیا اور اپنے کنیۃ الذھب میں رکھ دیا۔ یہ سب اموال ابھی تک وہاں ہیں اور وہیں رہیں گے۔ یہاں

تک کہ حضرت امام مہدیؑ کا ظہور ہوگا وہ انہیں ایک لاکھ ستر ہزار کشتیوں میں واپس لائیں گے الخ۔(1)

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے تو یہاں مختلف قومیں آباد تھیں۔حتی، اموری، کنعانی، فرزی، حولی، یبوسی اور فلستی وغیرہم۔ یہ قومیں بدترین قسم کے شرک میں مبتلا تھیں۔ ان کے سب سے بڑے معبود کا نام ایل تھا۔اس کی بیوی کا نام عشیرہ تھا۔ان سے خداؤں اور خدانیوں کی ایک پوری نسل چلی تھی جن کی تعداد ستر تک پہنچتی تھی۔ ان کی اولاد میں سب سے زیادہ زبردست بعل تھا۔ جو بارش اور روئیدگی کا خدا اور زمین وآسمان کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ یہاں کے باشندے مختلف قسم کے بدکرداریوں اور اخلاقی گراوٹ کا شکار تھے۔

تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو خصوصی طور پر ہدایت دی گئی تھی کہ تم ان قوموں کو ہلاک کر کے ان کے قبضے سے فلسطین کی سرزمین چھین لینا اور ان کے اخلاقی اور اعتقادی خرابیوں میں مبتلا نہ ہونا۔لیکن جب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے تو وہ اس ہدایت کو بھول گئے۔ وہ قبائلی عصبیت میں مبتلا ہو گئے۔ ہر قبیلے نے اپنی ریاست بنالی۔کوئی متحدہ سلطنت قائم نہ کر سکے۔اور مشرک قوم کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی وہاں موجود ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل میں شرک گھس آیا اور وہ بہت سی اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہو گئے۔اسی بات کا تذکرہ حضرت داؤد نے کیا۔

"انہوں نے ان قوموں کو ہلاک نہ کیا۔جیسا کہ خداوند نے ان کو حکم دیا تھا۔ بلکہ ان قوموں کے ساتھ مل گئے اور ان کے سے کام سیکھ گئے۔اور ان کے بتوں کی پرستش کرنے لگے۔جو ان کے لیے پھندا بن گئے۔ بلکہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو شیاطین کے لیے قربان کیا۔اور معصوموں کا یعنی اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا لہو بہایا"۔(2)

1۔تفسیر قرطبی، جلد 10، صفحہ 222۔ درالمنثور، جلد 4، صفحہ 105

2۔زبور باب، 106، آیات 38-34

بنی اسرائیل کو اس کا دوسرا نقصان یہ اٹھانا پڑا کہ مفتوحہ لوگوں نے ان کے خلاف ایک بہت بڑا اتحاد قائم کر کے انہیں فلسطین کے ایک بہت بڑے حصے سے بے دخل کر دیا۔ اور بنی اسرائیل کو ایک متحدہ سلطنت قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان کی درخواست پر حضرت سموئیل نبی نے طالوت کو ان کا بادشاہ بنایا۔ اور انہیں ایک سلطنت مل گئی اس سلطنت کے فرمانروا ہوئے طالوت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان۔

حضرت سلیمان کے بعد پھر ان پر دنیا پرستی کا غلبہ ہوا۔ دونوں نے آپس میں لڑ کر دو الگ الگ سلطنتیں قائم کر لیں شمالی فلسطین میں اسرائیل جس کا پایہ تخت سامریہ قرار پایا اور جنوبی فلسطین کے علاقے میں یہودیہ۔ جس کا پایہ تخت یروشلم قرار پایا ان دونوں سلطنتوں میں ہمیشہ رقابت اور کشمکش قائم رہی۔

یہود کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی گناہ وعصیاں میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کے ہاتھوں انہیں سزا دلوائی۔ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد جب بیت المقدس کا حاکم گناہ و سرکشی میں مبتلا ہوا۔ تو مصر کا ایک بادشاہ ان پر حملہ آور ہوا۔ اس نے بیت المقدس کا سونا چاندی لوٹ لیا مگر مسجد اور شہر کو منہدم نہیں کیا۔ اس سے تقریباً چار سو سال بعد جب یہودی پھر بت پرستی میں مبتلا ہوئے اور آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے تو مصر کے ایک بادشاہ نے ان پر حملہ کیا اور کسی قدر شہر اور مسجد کی عمارت کو نقصان پہنچایا۔ اس کے چند سال بعد بابل بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا۔ بہت سے لوگوں کو قیدی بنا لیا اور بہت سامال لوٹ لیا۔ اور پہلے بادشاہ کے ایک رشتہ دار کو اپنے قائم مقام کی حیثیت سے شہر کا حاکم بنا لیا۔

اس نئے بادشاہ نے بخت نصر سے بغاوت کی تو بخت نصر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ اس نے قتل وغارت کی انتہا کر دی۔ شہر کو آگ لگا دی۔ یہ حادثہ تعمیر مسجد کے تقریباً چار سو پندرہ سال بعد پیش آیا۔ اس کے بعد یہود یہاں سے جلاوطن ہو کر بابل چلے گئے اور وہاں ستر سال تک انتہائی ذلت وخواری کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اس کے بعد شاہِ ایران نے شاہِ بابل پر چڑھائی کی۔ اس نے بابل فتح کیا۔ شاہِ ایران کو ان یہودیوں پر رحم آ گیا۔ اس نے انہیں

ملک شام میں واپس کیا۔ ان کا لوٹا ہوا مال واپس کیا۔ اب یہودی گناہوں سے تائب ہو چلے تھے وہ نئے سرے سے آباد ہوئے اور مسجد اقصیٰ کی پھر تعمیر کی۔

مرورِ زمانہ کے ساتھ تو وہ پھر بدکرداریوں اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو گئے تو انطا کیہ کے بادشاہ نے ان پر چڑھائی کی چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا، چالیس ہزار قیدی اور غلام بنا کر ساتھ لے گیا اور مسجد کی بھی بے حرمتی کی یہ واقعہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے ایک سو ستر سال پہلے پیش آیا۔ پھر اس بادشاہ کے جانشینوں نے مسجد کو بالکل برباد کر دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بیت المقدس پر سلاطین روم کی حکومت ہو گئی انہوں نے مسجد کو درست کیا اس کے آٹھ سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے چالیس برس بعد روم کے بادشاہ طیطس نے ان پہ حملہ کیا اس سے شہر اور مسجد کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ کما ذکر فی التفا سیر وکتب التاریخ

قرآن کریم نے ان آیات میں بخت نصر اور طیطس کی تباہی کی طرف خصوصی طور پر اشارہ کیا ہے۔ قرآن مجید ان کی تاریخ کے اس پہلو کو خصوصیت سے بیان کرتا کہ یہود ان کے یہ دشمن اس لیے مسلط کئے گئے کہ انہوں نے کتاب الٰہی کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر گناہ اور سرکشی کی راہ اختیار کر لی تھی۔ امام فخر الدین رازی ان آیات طیبات کی تفسیر کرتے ہوئے لتفسدن کی تفسیر میں لکھتے ہیں

یرید المعاصی و خلاف احکام التورة(1)

''کہ اس سے مراد گناہ اور احکام تورات کی مخالفت ہے''۔

مقصود کلام

قرآن کریم نے یہود کی تاریخ کے اس اہم واقعہ کو ذکر کر کے ایک تو یہود پر واضح کیا ہے کہ جیسے پہلے جب بھی تم نے تورات کے احکامات کو پس پشت ڈالا اور گناہوں کی روش پر

1۔ تفسیر کبیر، جلد20 صفحہ155

چلے تو تمہیں تباہ و برباد کیا گیا۔ اسی طرح اب بھی پھر تمہارے سامنے دو راستے ہیں یا تو احکام تورات کے مطابق اس نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لے آؤ تو تمہیں عزتیں دی جائیں گی اور اگر تم نے پھر مادی خواہشات کو ترجیح دی اور حق کا انکار کر دیا تو پھر تمہیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا

"اگر تم اچھے کام کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا اور اگر برائی کرو گے تو اس کی سزا تمہیں ہی ملے گی"۔

چونکہ یہودیوں نے تورات کی پیروی نہ کی اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ اس لیے پھر ان پر تباہی اور بربادی مسلط کر دی گئی۔ انہیں جلاوطن کر دیا گیا اور انہیں طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔

دوسرا ان آیات میں اللہ رب العزت نے قوموں کے عروج و زوال کے ایک اہم ضابطے کو بیان فرمایا ہے کہ جیسا کہ یہود نے جب کتاب کی تعلیمات کو پس پشت ڈالا اور گناہ و سرکشی کے راستے کو اپنایا تو ان پر ان کے دشمنوں کو بطور سزا مسلط کر دیا گیا۔ ایسے ہی اے اہل قرآن! اے حاملین قرآن! اگر تم نے قرآن حکیم کی تعلیمات کو پس پشت ڈالا اور گناہ اور سرکشی کے راستوں کو اختیار کیا تو تم پر بھی تمہارے دشمنوں کو بطور سزا مسلط کر دیا جائے گا۔ تم سے عزت و سروری کے تاج چھین لیے جائیں گے اور تم پر ذلت و ادبار مسلط کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قوانین اٹل اور غیر مبدل ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس پہلو میں جیسے ان کے لئے مقام عبرت و تدبر ہے ایسے ہی اہل ایمان کے لیے بھی اس میں ہدایت کا بہت سا سامان ہے۔ کیونکہ قرآن مجید تاریخ کا تذکرہ صرف تاریخ بیانی کے لیے نہیں بلکہ عبرت اور نصیحت کے لئے کرتا ہے۔

قرآن کریم کا بیان کردہ عروج و زوال کا یہ قانون بڑے واضح الفاظ میں ہمیں ہمارے اس سوال کا جواب دے رہا ہے کہ ہم ذلیل کیوں رہے ہیں اور دشمن ہم پر کیوں غلبہ پاتے جا

رہے ہیں؟اور پورا عالم اسلام امریکہ کی کالونیاں کیوں بنتا جا رہا ہے؟

جب میں کہتا ہوں الٰہی میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہ اعمال دیکھ

(5) اشرافیہ کا بگاڑ قوموں کو تباہ کر دیتا ہے

اشرافیہ کسی قوم کے امرا اور مقتدر طبقہ کو کہا جاتا ہے۔ کسی بھی قوم میں اشرافیہ کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو بدنِ انسانی میں اعضائے رئیسہ کی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی طبقہ عملی طور پر قوموں کے فیصلے کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کی رائے بڑا وزن رکھتی ہے اور قوم کے تمام طبقات اس کی رائے کا بہت احترام کرتے ہیں۔ جیسے کسی تنظیم اور جماعت کو چلانے کے لئے فنڈز کی دستیابی ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے ایسی ہی قوموں کے تناظر میں اس طبقہ کی ہوتی ہے۔

چونکہ انسان طبعی طور پر عجلت باز بھی ہے اور ظاہر پرست بھی۔ اس لیے قوم کا ہر طبقہ انہیں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے ان کے پاس عوام کی رائے، فکر، خیال اور آزادی تو گروی ہوتی ہے یہ دانشوروں کی دانش، علماء کا علم اور قائدین کی قیادت بھی خرید لیتے ہیں۔ یہ پیسے کے زور سے ہر وہ بات ہر کسی سے منوا سکتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں۔ کیونکہ پیٹ پہ پتھر باندھ کے سرداروں کے خلاف جنگ لڑنے والے اور دنیا جہاں کی دولت و ثروت کو ٹھکرا کے حق کا ساتھ دینے والے پہلے بھی بہت کم ہوتے تھے اور اب تو ان کا وجود اور بھی عنقا ہوتا جا رہا ہے۔

ع اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

قوموں کے بناؤ یا بگاڑ میں اس طبقہ کا ایک بنیادی کردار اس لیے ہوتا ہے کہ یہ اپنی دولت و ثروت کے بل بوتے پر قوم کے ہر طبقے کی رائے خرید لیتے ہیں انہیں ان کی خواہشات کے مطابق فتویٰ دینے والے دین فروش علماء بھی مل جاتے ہیں اور مفتی بھی۔ انہیں ان کی فکر کو نہ صرف تسلیم کرنے والے بلکہ حرف آخر ثابت کرنے والے مفکرین

بھی مل جاتے ہیں اور دانشوار بھی، انہیں ان کی آراء اور خیالات کو نافذ کرنے والے قائدین بھی مل جاتے ہیں اور سیاستدان بھی۔ گنتی کے چند حقیقت بین افراد کے سوا پوری قوم اور سارا ملک انہیں کی آراء اور خیالات کو نہ صرف درست مانتا ہے بلکہ انہیں درست ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے اور

ع عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

کا منظر صاف نظر آتا ہے

کسی قوم کے مجموعی مزاج میں غور کرنے سے محسوس یوں ہوتا ہے کہ ساری قوم کا دماغ یہی طبقہ ہوتا ہے۔

شاید یہی سبب ہو کہ انبیاء کرامؑ کے اوّلین مخاطب یہی لوگ ہوتے تھے کیونکہ اگر یہ سنور جائیں تو پوری قوم سنور جاتی ہے اور اگر یہ بگڑ جائیں تو پوری قوم بگاڑ کا شکار ہو جاتی ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ضابطہ رہا ہے کہ اس نے اپنا پیغام اس طبقے کو خصوصی طور پر پہنچایا۔ جب انہوں نے حق کا انکار کیا تو پوری قوم کو تباہ کر دیا گیا۔ انہیں اس لیے کہ انہوں نے حق کو چھوڑ کر سرکشی اور کفرانِ نعمت کا راستہ اختیار کیا اور دوسروں کو اس لیے کہ انہوں نے اپنی عقل اور ضمیر کو ان کے پاس گروی کیوں رکھا اور اللہ کے مقابلے میں ان کی بات کیوں مانتے رہے۔ یعنی عملی طور پر اس طبقے کا بگاڑ پوری قوم کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔

قرآن کریم قوموں کی تباہی کے اس ضابطے کو یوں بیان کرتا ہے

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ
عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ۝١٦ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ ٱلْقُرُونِ مِنۢ
بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِۦ خَبِيرًۢا بَصِيرًا ۝١٧ (اسرا)

"اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے امرا کو حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں۔ تب ان پر بات ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر ہم وہ اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور نوحؑ کے بعد ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا۔

اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لئے اور انہیں دیکھنے کے لئے کافی ہے''۔

ان آیات طیبات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امرا کی نافرمانیوں کو قوم کی تباہی کا بہانہ بنایا جاتا ہے۔ بلکہ یہاں اس طریقہ کو بیان کیا جارہا ہے جو اس پس منظر میں قوموں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ آیات طیبات واضح کررہی ہیں کہ امرا کا بگاڑ پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ امرا اور مقتدر طبقہ کو سوچنا چاہیے کہ کہیں ان کا تعیش پوری قوم کی نیا نہ لے ڈوبے۔ اور قوم کے دیگر افراد کو بھی سوچنا چاہیے کہ وہ اپنی رائے، ضمیر، عقل و دانش اور بسا اوقات دین ایمان امرا اور اشرافیہ کے پاس گروی نہ رکھیں ورنہ جب وہ ڈوبیں گے تو بچیں گے یہ بھی نہیں وہ تباہ ہوں گے اپنی عیاشیوں کے سبب اور یہ برباد ہوں گے اپنی کم ہمتی اور ضمیر فروشی کے سبب۔

(6) حق کا باطل کی پیروی کرنا تباہی کا سبب ہے

حق و باطل کی کشمکش تو ازل سے ہی جاری ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

(اقبال)

جیسے اہلِ باطل کو باطل پیارا ہوتا ہے اہل حق کو حق اس سے بھی بڑھ کر محبوب ہوتا ہے۔ جیسے اہل باطل، باطل کے لئے قربانی دیتے ہیں ایسے ہی اہلِ حق، حق کی بقا اور عزت و حرمت کے لئے سرفروشیوں اور جانثاریوں کے نئے باب رقم کرتے ہیں۔

لیکن اگر کسی وقت حق باطل کی پیروی کرنے لگے اور اپنی شناخت کھودے تو وہاں تباہی اور بربادی اپنے ڈیرے ڈال دیتی ہے۔ جیسے بنی اسرائیل کی تباہی کے ضمن میں یہ بات خصوصی طور پر بیان کی گئی کہ ان کے اچھے جب بروں کو کوئی برائی کرتے دیکھتے تو پہلے دن انہیں منع کرتے لیکن اگر وہ دوسرے دن پھر اسے برائی میں مبتلا دیکھتے تو وہ بھی ان کی پیروی

کرنے لگتے یہی چیز ان کی تباہی کا باعث بنی۔

گویا اہل باطل تو اپنے باطل میں مگن رہتے ہی ہیں لیکن اہل حق کا ان کی مخالفت کرنا اہل حق اور اہلِ باطل دونوں کی بقا کا ذریعہ ہے۔ اور اہل حق کا باطل کی پیروی کرنا وہ کسی بھی سطح پر ہو۔ دونوں کی تباہی کا سبب ہے۔

قرآن کریم اس ضابطہ الٰہی کو یوں بیان فرماتا ہے:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ (مومنون:71)

''اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہوتا تو زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب کچھ تباہ ہو جاتا''۔

اسے لیے حق کو کسی بھی سطح پر باطل کی پیروی کرتے ہوئے سوچنا چاہیے کہ کہیں ہمارا یہ عمل تباہی و بربادی کو دعوت تو نہیں دے رہا؟

(7) ایمان عروج کی ضمانت ہے

عروج پانے کے جتنے ذریعے اور طریقے ہیں وہ نفع خلق ہو یا جہد مسلسل، کتاب الٰہی کی پیروی ہو یا اشرافیہ اور عوام کا رجوع الی اللہ، وہ دعوت خیر ہو یا حق کا باطل کی پیروی نہ کرنا۔ اگر انسان ایمان کو حقیقت میں اور شعوری طور پر قبول کر لے تو یہ تمام اسباب عروج اس میں اسی طرح آجاتے ہیں جیسے ایک لاکھ میں سو ہزار اپنے آپ آجاتے ہیں۔

شاید یہی سبب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

(آل عمران)

''اور ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان والے ہو''۔

اس فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ تم بس کلمہ پڑھ لو۔ بعد میں تم سستی و کاہلی کا مظاہرہ کرو یا خیانت اور بددیانتی کا، تم نفس پروری میں لگے رہو یا جلب زر میں۔ تم ایک دوسرے کو ذلیل

کرنے میں لگے رہو یا ملک کی جڑیں کھوکھلا کرنے میں تمہیں ہر حال میں سرخرو کیا جائے گا کیونکہ تم ایمان والے ہو اور کارکنانِ قضاوقدر تمہاری خدمت بجالانے کو آدھمکیں گے کیونکہ تم نے کلمہ جو پڑھ لیا ہے اور ترقی اور عروج کی منزلیں سٹ کر تمہارے قدموں میں آئیں گی کیونکہ تم مسلمان جو ہو۔

نہیں۔ قطعاً نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ضابطے ایسے نہیں ہیں اور اس کی تقسیم ان پیمانوں پر نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ ایمان ہر قسم کی بھلائی اور اوصاف حمیدہ کو سمیٹے ہوئے ہوتا ہے ایمان قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک بندہ نفس پرست نہیں خدا پرست بن گیا۔ مفاد پسند نہیں حقیقت پسند بن گیا اور روٹی، کپڑا اور مکان کی حدوں میں محدود رہنے والا نہیں خدا کا سپاہی بن گیا، اس لیے جب تم ان معنوں میں ایمان قبول کرلو گے تو سنت الٰہی کے مطابق قوموں کو عروج اور ترقی کی شاہراہوں پر گامزن کرنے کے جتنے ضابطے ہیں وہ سب اپنے آپ تم میں آجائیں گے۔

ہفت اختر جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

(اقبال)

چونکہ اس نکتہ کی وضاحت تفصیل سے پہلے گزر چکی ہے۔ اس لیے یہاں اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔

ایک اہم اشکال اور اس کا جواب

اس موقع پر ایک اہم سوال کا جواب دینا بہت ہی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر ایمان ہی عروج کا ذریعہ ہے تو آج کافر اقوام اتنے عروج پر کیوں ہیں۔ اور ایمان والے زوال پذیر کیوں ہیں۔

اگرچہ اس سوال کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ تاہم یہاں بھی بحث کو مکمل کرنے کے لئے اختصاراً اس کا جواب دیا جاتا ہے۔

اس کے جواب میں پہلی گذارش تو یہ ہے کہ جب کوئی حاملِ کتاب قوم کتاب الٰہی سے انحراف کر کے اپنی خواہشات کے پیچھے چل نکلتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے جیسے یہود پر بخت نصر یا طیطس کو مسلط کیا گیا تھا۔ عروج و زوال کے متعلق اس قانون الٰہی کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے جب بطور سزا کسی حاملِ کتاب قوم پر اس کے دشمن کو یوں مسلط کیا جاتا ہے تو اس میں حاملِ کتاب قوم کے لئے ذلت کا سامان تو ہوتا ہے لیکن مسلط کی جانے والی قوم کی عنداللہ کوئی مقبولیت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ صرف آلہ سزا ہوتی ہے۔ جیسے اگر کوڑے سے کسی مجرم کو سزا دی جائے تو اس میں مجرم کی ذلت و رسوائی تو ہوتی ہے لیکن کوڑے کا کوئی شرف و فضل ثابت نہیں ہوتا۔ ایسی ہی کتاب الٰہی سے انحراف کے جرم پر دشمن قومیں مسلمانوں پر بطور سزا مسلط کی گئی ہیں۔ جس میں مسلمانوں کے لئے رسوائی تو ہے لیکن ان اقوام کا عنداللہ کوئی مقام و مرتبہ ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ ایمان کے جو تقاضے عروج کا سبب بنتے ہیں۔ اگر کوئی بندہ انہیں صرف قومی یا ملکی جذبہ کے تحت اپناتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی محنتوں کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ وہ دنیا میں کامیاب بھی ہوگا اور ترقی بھی پائے گا لیکن اخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ نعمت ایمان سے محروم ہے۔ لیکن اگر کوئی بندہ ایمان کے یہ تقاضے احکام الٰہی سمجھ کر پورے کرے گا تو وہ دنیا اور عقبیٰ میں سرخرو ہوگا۔

مثلاً قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ نفع خلائق قوموں کو عروج دیتا ہے اب اگر کوئی قوم نفع خلائق کو صرف قومی جذبہ کے تحت بجالاتی ہے کہ ہم لوگوں کو نفع پہنچائیں تاکہ ہماری قوم مضبوط ہو اور ملک مستحکم ہو تو انہیں ان کا دنیاوی مدعا ضرور ملے گا لیکن اگر کوئی قوم نفع خلائق کے قانون کو حکم الٰہی سمجھ کر بجالاتی ہے تو اسے دنیا میں بھی عروج ملے گا اور وہ آخرت میں بھی سرخرو ہوگا۔

اسی طرح عروج کے تمام اسباب جن کا ایمان تقاضا کرتا ہے وہ جذبہ قومی کے تحت بھی بجالائے جاسکتے ہیں اور حکم الٰہی سمجھ کر بھی پہلی صورت میں صرف دنیاوی ترقی ملتی ہے اور

دوسری صورت میں دنیاوی اور اخروی کامیابی۔

آج جو قومیں ترقی اور عروج کی شاہراہوں پر گامزن ہیں انہوں نے ایمان کے ان تقاضوں کو بغیر ایمان کے صرف قومی اور ملکی جذبہ کے تحت اپنا لیا ہے۔ افسوس یہ ہے جن چیزوں کو ہم جذبہ ایمانی اور حکم خداوندی سمجھ کر نہیں اپنا سکے۔ ان قوموں نے انہیں صرف دنیا بہتر کرنے اور قومی جذبہ کے تحت اپنا لیا ہے۔ گویا یہ اوصاف اصلاً ہمارے ہیں جو اپنا انہوں نے لیے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں عروج اور ترقی عطا کر دی۔ فیلسوفِ اسلام علامہ اقبال نے یہ حقیقت کتنے خوبصورت الفاظ میں بیان کی ہے۔

عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور
مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور

اور

اڑالی قمریوں نے، طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری

ایک اور مقام پر مغرب کی ترقی وعروج کا راز بتاتے ہوئے اقبال کہتے ہیں

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب ۔۔۔ نے ز رقص و دخترانِ بے حجاب
نے زسحرِ ساحران لالہ روست ۔۔۔ نے زعریاں ساق و نے از قطع موست
محکمی اولا نہ از لادینی است ۔۔۔ نے فروغش از خط لا دینی است
قوت افرنگ از علم و فن است ۔۔۔ از ہمیں آتش چراغش روشن است

''مغرب کی قوت گانے بجانے اور لڑکیوں کے بے حجابانہ رقص میں نہیں۔ نہ جادوگر حسیناؤں کی ساحرانہ اداؤں، ان کے نیم عریاں لباس اور تراشیدہ بالوں ہی کی وجہ سے ہے۔ ان کی طاقت مذہب کو چھوڑنے یا کسی خاص رسم الخط اور زبان کی وجہ سے بھی نہیں۔ مغرب کی قوت علم و ہنر سے ہے۔ ان کی کامیابی کا چراغ اس

آگ سے روشن ہے"۔

ہم میں سے ہر ایک کو قرآن مجید کے بیان کردہ عروج وزوال کے ان ضابطوں پر غور کرنا چاہیے اور ہر ایک کو سوچنا چاہیے کہ ہمارا وجود، ہمارا کردار اور ہمارا عمل کیا امت کے لئے زوال کا سبب ہے یا عروج کا؟ کیونکہ دریا قطرے قطرے سے بنتے ہیں اور قومیں افراد سے ہی تشکیل پاتی ہیں۔

فِیْ هٰذَا الْبَابِ هٰذَا مَا تَیَسَّرَ لِهٰذَا الْعَبْدِ الضَّعِیْفِ بِعِنَایَةِ مَوْلَاہُ الْقَوِیِّ۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

طلبِ عروج اور
ہماری ذمہ داریاں

دوستو! اب فکر کرو ساحل کی
ہو چکا تذکرہ کشتی و طوفاں کافی

صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
خون افشانی ہے لازم اشک افشانی کے ساتھ

قوم کسی ایک گروہ یا طبقہ کو نہیں کہا جاتا۔ بلکہ فطرتی صلاحیتوں کے اختلاف سے قوم چند گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس کائنات میں اختلاف مراتب کا جو فطری نظام رائج ہے۔ اس لحاظ سے بھی انسانوں کی صلاحیتیں اور ذوق مختلف ہوتے ہیں۔ اختلاف مراتب کا فلسفہ انفرادی طور پر تو آزمائش اور امتحان ہے۔ لیکن اجتماعی طور پر اس کا اظہار قوم کے مختلف طبقات کی شکل میں ہوتا ہے۔ قوم کے عروج یا زوال میں ہر طبقہ ایک مؤثر اور جاندار کردار ادا کرتا ہے۔ اور قوم کے مجموعی مزاج پر ایک گہرا اثر ڈالتا ہے۔

صلاحیتوں کے اختلاف اور ذوقی امتیازات کے سبب قوم جن طبقات کا مجموعہ ہوتی ہے وہ بنیادی طور پر تین طبقے ہیں۔

(1) قائدین (2) اشرافیہ (3) عوام

قوم کے عروج پانے کے سلسلہ میں ان کی ذمہ داریوں کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے

(1) قائدین

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو صلاحیتوں کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ اور ارفع ہوتے ہیں۔ یہ کسی بھی قوم میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو جسمِ انسانی میں دماغ کی ہوتی ہے۔ یہی لوگ قوم کی سوچ اور فکر کا رخ متعین کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جب کوئی قوم فکری طور پر معذور اور اپاہج ہو جائے گی۔ تو اس کے عروج کی منزلیں طے کرنا یا ترقی کی شاہراہوں پر گامزن ہونا خارج از بحث ہو جاتا ہے۔ اس لئے کسی بھی قوم کی مجموعی ہیئت اور ساخت میں قائدین کا کردار ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے قائدین کی تین قسمیں ہیں۔

(1) فکری قائدین (2) سیاسی قائدین (3) مذہبی قائدین

(1) فکری قائدین

ان سے میری مراد وہ اعلیٰ ترین صلاحیتوں کے مالک افراد ہیں۔ جو کسی بھی قوم کی

جدوجہد یا عمل کا رخ متعین کرتے ہیں اور پوری قوم جن کی پیروی کرتی ہے۔ جیسے اشتراکی انقلاب کے پس منظر میں کارل مارکس اور مسلمانانِ برصغیر کی تحریک آزادی کے پس منظر میں علامہ اقبالؒ۔ کسی بھی قوم کو ایسی قیادت کا مل جانا بلاشبہ اس کی بہت بڑی خوش قسمتی ہوتا ہے۔ لیکن ایسے عظیم لوگ اب عنقا ہوتے جارہے ہیں۔ جس پر خود اقبال بھی حسرت اور تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

بیدار ہوں دل کی فغان سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب

ایسی کسی شخصیت کو ڈھونڈنے کے لئے اصحاب دردون کی روشنی میں چراغ لے کے پھرا کرتے ہیں۔ تاہم کسی بھی سطح پر ایسی قیادت کا وجود ایک نعمت عظمیٰ ہوتا ہے۔ ان کی قدر کرنی چاہیے اور ان کے فکر سے استفادہ کرنا چاہیے۔ ایسی ہی فکری قیادتوں میں جو قوموں کی فکر کے دھارے بدلتی ہیں بلاشبہ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کا نام بھی شامل ہے جنہوں نے بالخصوص تعلیم کے میدان میں جدید اور قدیم تعلیم کے امتزاج کی فکر قوم کو دی۔ اس وقت اس کی بڑی مخالفت کی گئی کیونکہ اپنے ہم عصر کی عظمت کو ماننا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن اب ان کی اس فکر کی صداقت ایک مسلمہ حقیقت بن چکی ہے۔ اور ہر جگہ اس کو اپنانے کی مکمل یا ادھوری کوشش کی جاری ہے۔

جیسے اقبال کی فکر کو زمانے نے ان کے دنیا سے جانے کے بعد سمجھا اور تحریک آزادی کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ ایسے ہی نہ صرف تعلیمی میدان میں بلکہ وحدت امت اور فکر قرآنی میں بھی پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی فکر کو آنے والے دنوں میں زمانہ سمجھے گا ان شاء اللہ۔

بہر حال ایسی قیادتوں کو نعمت الٰہی سمجھ کر ان کی قدر کرنی چاہیے اور ان کی فکر سے استفادہ کرنا چاہیے۔

(2) سیاسی قائدین

اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو کسی بھی قوم کی سیاسی رہنمائی کرتے ہیں۔ اور یہ کافی

اختیارات رکھنے والا گروہ ہے۔ یہی لوگ قوموں کے متعلق عملی طور پر کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ یہ مقتدر طبقہ ہوتا ہے۔اور آج کل کے حالات میں تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہی سیاہ وسفید کے مالک ہیں۔ان کا بگاڑ پوری قوم کا بگاڑ بن سکتا ہے۔اور اگر یہ سنور جائیں تو پوری قوم سنور سکتی ہے اس طبقہ کو چاہیے کہ

1۔ سیاست کو ملک وقوم کی خدمت کا ایک سنہری موقع سمجھیں اسے پیشہ نہ بنائیں۔

2۔ اپنے اختیارات کو کرپشن اور لوٹ مار کا ذریعہ نہ بنائیں۔

3۔ اپنے منصب کو اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کا ہی سبب نہ سمجھیں۔

4۔ اپنے کسی بھی چھوٹے یا بڑے مفاد کے لئے ملکی مفاد کو قربان نہ کریں۔ کیونکہ یہ تمام عزتیں ملک کی وجہ سے ہی ہیں۔

5۔ اپنے اختیارات سے لوگوں کو دین سے دور کرنے کا سامان نہ کریں کیونکہ یہ ملک دین کی نسبت سے ہی بنا اور دین کے ساتھ نسبت ہی اسے مستحکم کرے گی۔

6۔ اپنے منصب اور اختیارات کو مثبت طریقوں سے استعمال کریں۔اپنی ذات، سیاست اور پارٹی کے خول سے باہر آ کر ملک اور قوم کو مستحکم کرنے کے لئے بھر پور جدوجہد کریں، کیونکہ حکومت مل جانے کے بعد اس کی پارٹی ملک اور پوری قوم ہوتی ہے اور وہ سب کے نمائندہ ہوتے ہیں۔

7۔ جدید ٹیکنالوجی کا حصول اور جدید تعلیم میں قوم کو دنیا کے نہ صرف دوش بدوش بلکہ آگے لے جانا بھی انہیں کے فرائض میں شامل ہے کیونکہ تمام وسائل انہیں کے تصرف میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو بے پناہ وسائل اور صلاحیتوں سے نوازا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں ذات اور پارٹی سے بالاتر ہو کر قوم کے استحکام میں خرچ کیا جائے۔ عالمی حالات پر گہری نظر رکھتے ہوئے قوم اور ملک کو مستحکم کرنا انہیں کا فرض ہے کیونکہ اقتدار اور تصرف انہیں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

نہ ادھر ادھر کی بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے غرض نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

8۔ یہی لوگ عالمی سطح پر ملک یا قوم کی پہچان بن جاتے ہیں۔

ان کے کردار کی پستی پوری قوم کا سر شرم سے جھکا دیتی ہے اور ساری قوم دنیا کے سامنے رسوا ہو جاتی ہے۔ اس لیے انہیں کوئی بھی رویہ اپناتے ہوئے خصوصی طور پر اس بات کو کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

9۔ انہیں یہ بات کبھی نہیں سوچنی چاہیے کہ حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ اس بگاڑ میں شریک ہوئے بغیر ہم چل نہیں سکتے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے کیے کا جواب دے ہوگا۔ انسان کا کام صرف کوشش کرنا ہے۔ مثبت نتائج دنیا کو اس کے اختیار میں نہیں۔ یہ وہ کچھ ضرور کرے جو یہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ اسے اسی کا جواب دینا ہوگا اور نیکی اور خلوص کا سفر ایسا سفر ہے جو سفر بھی ہے اور منزل بھی۔ اس سفر پر گامزن ہونا ہی گویا منزل کو پالینا ہے۔

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہے لگا لے جب چاہے
گر جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں
جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں

(فیض)

10۔ انہیں یہ بات کبھی اور کسی حال میں نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ اقتدار صرف ہمیں ہی نہیں ملا۔ ہم سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کو ملا۔ وہ بھی اقتدار اور تخت و تاج یہیں چھوڑ کر سنسان قبروں میں جا سوئے اور ہمیں بھی جا سونا ہے۔ حضرت علیؑ کا فرمان ہے اگر یہ کرسی بے وفا نہ ہوتی تو مجھ تک کیسے پہنچتی؟ اس لیے اس موقع کو ملک و قوم کی خدمت میں بسر کرنا چاہیے۔ اور ان اختیارات کو خدمت خلق اور نفع خلائق کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ کیونکہ ہم بہت جلد اسے چھوڑنے والے ہیں۔

اگر سیاسی قیادتیں ان کے برعکس چل رہی ہوں تو پھر انہیں قوم کے زوال پر تعجب اور افسوس نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ خود قوم کو زوال کی پستیوں کی طرف لے جا رہے ہیں۔

کیسے منزل پے پہنچتا کوئی
راہ میں رہنما بیٹھے ہیں

(3) مذہبی قائدین

اس سے میری مراد صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو مذہبی سیاسی جماعتوں کی قیادت کرتے ہیں کیونکہ ان کا شمار تو سیاسی قائدین میں ہوتا ہے۔ ہاں ان کی ذمہ داریاں دوگنی ہو جاتی ہیں کیونکہ ایک تو یہ سیاستدان ہیں دوسرا ان کی پہچان اور شناخت مذہب ہے۔ اور لوگ ان کی سیاست کو ہی اسلامی تصور سیاست کا مظہر سمجھتے ہیں۔ ان کی بے رہروی بلاشبہ اسلام کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ ان کی سیاست تو اسلامی سیاست کی عملی شکل ہونی چاہیے اگر سیاست مذہب کے پس منظر میں کی جائے اور فرق صرف باریش اور بے ریش ہونے کا ہو۔ تو دوسرے سیاستدان تو صرف ملک وقوم کے مجرم ہوں گے لیکن مذہبی سیاستدان اس کے ساتھ ساتھ مذہب اور خدا اور رسول کے بھی مجرم ہوں گے۔ اور ان مذہبی سیاستدانوں سے جو مذہب کی آڑ میں ملک وقوم کو لوٹیں دوسرے سیاستدان بہتر ہوں گے کیونکہ وہ اپنے مفادات کے لئے اسلام کا نام تو استعمال نہیں کرتے۔

تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے
دنوں کے صنم خاکی دونوں کے صنم فانی
مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

(اقبال)

ہاں اگر مذہب کے پس منظر میں سیاست کرنے والے اسلامی تصور سیاست کا عملی نمونہ بن جائیں۔ سیاست کے گہرے سمندوں کو عبور کرتے ہوئے ان کے دامن پر کرپشن، لوٹ

مار، ذاتی مفادات اور انا پرستی کی چھینٹیں بھی نہ پڑیں تو بلاشبہ یہی لوگ زمانے کے امام اور وراثت بنوت کے امین ہوں گے۔

لیکن یہاں مذہبی قائدین سے میری مراد ہر وہ انسان ہے۔جس کی بات کسی بھی سطح پر مذہبی حوالے سے مانی جاتی ہے وہ کسی حلقہ کا ممبر ہو، کسی مدرسہ کا مہتمم ہو، کسی مسجد کا امام یا خطیب ہو، روحانی پیشوا یا پیر ہو یا اپنے ذاتی مطالعہ کی بنا پر لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔ان تمام حضرات کا شمار مذہبی قائدین میں ہوتا ہے۔امت مسلمہ کو زوال سے محفوظ کرنے کے لئے مذہبی قائدین کا فرض ہے کہ وہ

1۔ اسلام کی دعوت بحیثیت دین دیں۔

2۔ فرقہ پرستی اور مسلکی خول سے باہر آئیں۔

3۔ اپنے اس مقدس منصب کو تجارت نہ بنائیں۔

4۔ اپنے مفادات کے حصول کے لیے لوگوں کو دھوکہ میں نہ رکھیں۔

5۔ ان پادریوں کی طرح نہ ہو جائیں جو لوگوں کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتے تھے۔اور ان سے صدقہ و خیرات لے کر لوگوں میں تقسیم کرنے کی بجائے سونے اور چاندی کے گھڑے بھر کر انہیں زمین میں دفن کر دیتے تھے۔اور حالت کچھ یوں نہ ہو جائے

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا
ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن (اقبال)

اور

مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب
خدا کرے کے ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

(اقبال)

6۔ اپنے محدود یا بے تحاشا وسائل کے بارے میں سوچیں کہ یہ ہمیں کیسے ملے۔ اور لوگ اپنے خون پسینے کی کمائی ہمارے قدموں پہ ڈھیر کیوں کر جاتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ لوگوں کے حسنِ ظن کی لاج رکھیں۔ ورنہ ایک دن ضرور ایسا آنے والا ہے جب کوئی راز راز نہیں رہے گا۔ جس دن ساری حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی۔

7۔ یہ لوگوں کو ان کے اصلی دشمنوں کے بارے میں سمجھائیں لوگوں کو بتائیں کہ ان کے دشمن الحاد، صیہونیت اور عیسائیت ہیں۔ یہ ہمیں فرقہ پرستی اور مسلک کے دائروں میں محدود کر کے اور ہمیں آپس میں لڑا کے ہماری طاقتوں کو ضائع کر رہے ہیں۔

8۔ یہ اپنے اس عظیم منصب کو کاروباری نگاہ سے نہ لیں ایک ذمہ داری سمجھیں بہت بڑی ذمہ داری۔

اگر قوم کی ان قیادتوں کا فکری رخ درست ہو جائے اور وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ تو ان شاء اللہ وہ دن بہت جلد آئے گا جب قوم کو اس کی عظمت رفتہ مل جائے گی اور قوم زوال کی پستیوں سے اٹھ عروج کی رفعتوں پہ فائز ہو گی۔ کیونکہ قیادتیں ہی قوموں کی زندگی کا رخ متعین کرتی ہیں۔

(2) اشرافیہ

یہ کسی بھی قوم کا امیر اور اہلِ ثروت طبقہ ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے اصل ورسوخ کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ عوام کا ایک کثیر طبقہ تو ان کا مرہون منت ہوتا ہی ہے قیادتوں پر بھی ان کے گہرے اثرات ہوتے ہیں اور یہ اپنے اثر ورسوخ اور مال و دولت کے سبب بہت کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں۔ اس طبقہ میں بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ جنہیں دولت کا

نشہ مخمور نہیں کرتا۔ انبیاء کرام علیہ السلام کی تاریخ شاہد ہے کہ حق کا سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر یہی طبقہ انکار کرتا رہا ہے۔ چونکہ عوام پر اور قوم کے دیگر طبقات پر بھی ان کے گہرے اثرات ہوتے ہیں۔ اور یہ قوم کے وجود میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے ان کی گمراہی اور بے پرواہی گویا پوری قوم کی تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔ اگر یہ لوگ سنور جائیں تو کسی بھی قوم کے سنورنے میں ایک زندہ اور جاندار کردار ادا کر سکتے ہیں اس طبقہ کو چاہیے کہ یہ

1۔ اس بات کو کبھی نہ بھولیں کہ یہ دولت وثروت ہمیں اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ وہ قادر ومقتدر بڑی قوتوں والا ہے وہ اگر ہمیں دے سکتا ہے تو ہماری ناشکری اور کفران نعمت کے سبب ہم سے لے بھی سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد قوموں کے تذکرہ سے اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔

2۔ اگر لوگ ان کی حیثیت کے سبب ان کی بات مانتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ لوگوں کو خدا اور رسول کا باغی بننے کے حالات پیدا نہ کریں بلکہ اس دولت کو خیر اور نیکی کی ترویج و اشاعت کا ذریعہ بنائیں۔ کوئی بھی چیز فی نفسہ بری نہیں ہوتی بلکہ اس کا استعمال اسے برا بناتا ہے۔ چاقو فی نفسہ برا نہیں یہ انسان کی خدمت میں بھی استعمال ہوسکتا ہے اور اسی سے کسی انسان کا گلا بھی کاٹا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی دولت فی نفسہ بری نہیں ہے یہ اللہ کا فضل اور کرم ہے۔ اس سے انسان جنت بھی ''خرید'' سکتا ہے جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کئی موقعوں پر خریدی اور اسی سے انسان بہک بھی سکتا ہے جیسے ہمیشہ انبیاءؑ کے مخالف سردار بہکتے رہے ہیں اس طبقہ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس نعمت سے ملک وقوم کو مستحکم کریں۔ اپنی استعداد کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائل کو بروئے کار لا کر اس کمزور قوم کو توانا کریں۔

3۔ یہ دولت وثروت، یہ بڑی بڑی جاگیریں اور یہ عزتیں اور سربلندیاں انہیں اسی ملک کے سبب ملی ہیں۔ اپنے کسی بھی عمل اور رویہ سے اس ملک کی جڑیں کھوکھلی نہ کریں کیونکہ

وطن کی آبرو باقی تو تم بھی باقی ہو
وگرنہ پھر غلامی میں الجھ جانے کے دن آئے

4۔ اپنی تہذیب اور تمدن کے بارے میں سب سے بڑھ کر احساس کمتری کا شکار یہی طبقہ واقع ہوا ہے الا ماشاء اللہ۔ انہیں چاہیے کہ اس احساس کمتری سے بچیں۔ اپنی تہذیب پر ناز کرنا سیکھیں تا کہ دوسرے لوگ بھی اس بگاڑ سے بچ سکیں۔ کیونکہ جیسے یہ مغرب کی نقالی پر نازاں ہوتے ہیں ایسے ہی دوسرے لوگ ان کی نقالی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

5۔ اس طبقہ کا بگاڑ قوم کے مجموعی مزاج پر بہت برا اثر ڈالتا ہے انہیں چاہیے کہ اپنی حیثیت کو قوم کے زوال اور بگاڑ کا ذریعہ نہ بنائیں۔ اللہ کے اس ضابطہ کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ۝ (اسرائیل)

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوشحالوں کو حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں تب ان پر بات ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اس بستی کو تباہ و برباد کرتے ہیں''۔

اگر یہ طبقہ قوم کو اپنی قوم، ملک کو اپنا ملک اور ملک و قوم کی عزت و استحکام کو اپنا شرف و استحکام سمجھے تو حالات میں بہت بہتری آسکتی ہے اور قوم کی مایوسیاں امیدوں میں بدل سکتی ہیں۔

(3) عوام

یہ کسی بھی قوم کا تیسرا طبقہ ہوتا ہے۔ بظاہر یہ بڑا غیر مؤثر اور غیر اہم ہوتا ہے۔ لیکن در حقیقت قوموں کے استحکام اور عروج میں یہ بہت بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ قائدین کو منصب قیادت پر بھی یہی فائز کرتے ہیں اور ان کے تعاون کے بغیر اشرافیہ بھی اشرافیہ نہیں رہ سکتے۔ یہ لوگ عموماً ملک و قوم سے بھی محبت کرتے ہیں اور دین کی حرمت پر بھی کٹ مرتے ہیں۔ کسی بھی قوم کو عروج کی راہوں پر گامزن کرنے کے لیے انہیں چاہیے کہ

1۔ جب اپنے ذاتی مسائل کو سمجھنے کے لئے یہ لوگ اتنی کوشش کرتے ہیں تو کھوٹے اور

کھرے کو سمجھنے کے لئے بھی کچھ محنت ضرور کریں۔

2۔ جذباتی فیصلے نہ کریں بلکہ حالات کو حقائق کی نظر سے دیکھیں۔

3۔اپنی قیادت کا انتخاب ذاتی مفادات، برادری یا تھانے اور کچہری کے مسائل کو ذہن میں رکھ کے نہ کریں بلکہ اسلام اور پاکستان کے ساتھ وفاداری کو ترجیح دیتے ہوئے کریں۔

4۔ لفظوں کے ہیر پھیر سے بچیں اور عملی کام کو ذہن میں رکھیں۔

5۔ جب زندگی کے تمام میدانوں میں محنت اور مشقت کو ضروری سمجھتے ہیں تو ملک وملت کے استحکام اور فلاح کے متعلق اتنی سہل پسندی کا مظاہرہ نہ کریں۔

6۔ صرف مالی مدد کر دینے سے کوئی بھی ملک وقوم کے حقوق سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ ہر کسی کو اپنی سطح تک جدوجہد کرنی چاہیے۔

7۔اگر قائدین کے لئے امانت ودیانت کی ضرورت ہے تو عوام بھی اپنی سطح پر اس کے مکلف ہیں۔اگر دو روپیہ کا فراڈ کر سکنے والا دو روپے کے فراڈ سے باز نہیں آتا تو اسے اربوں کے فراڈی پر تنقید نہیں کرنی چاہیے۔کیونکہ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو یہ بھی کمی نہ کرتا۔

الغرض ہر انسان اپنی سطح تک جب تک قوم کی بقا واستحکام کے لئے سر توڑ کوشش اور جہد مسلسل نہیں کرے گا۔اس وقت تک اسے قوم کی ذلتوں اور پستیوں پر نہ حیرت کا اظہار کرنا چاہیے اور نہ تعجب کا۔کیونکہ قطرے دریا کو تشکیل دیتے ہیں اور افراد قوموں کو۔

الھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه-اللهم ارنا الاشياء كماهي و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه ونور عرشه سيدنا و مولانا محمد و على اله و اصحابه وسلم- ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم و تب علينا انك انت التواب الرحيم بحرمة طه ويٰس

محمد حبیب اللہ چشتی

دعا

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو، پھر وسعت صحرا دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوش ثریا کر
خود داری ساحل دے، آزادی دریا دے

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا دے

میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

(اقبال)

ماخذ ومراجع

1 قرآن حکیم

2 کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ
بائبل سوسائٹی۔ انارکلی لاہور

3 صحیح بخاری امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری
مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

4 صحیح مسلم امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری
مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

5 مشکوٰۃ شیخ ولی الدین تبریزی، نور محمد اصح المطابع کراچی

6 الترغیب والترہیب الامام الحافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی
المنذری، مطبوعہ دارابن حزم۔ بیروت۔ لبنان

7 التفسیر الکبیر امام فخر الدین بن ضیاء الدین بن عمر رازی
مطبعۃ مکتب الاعلام الاسلامیہ

8 تفسیر قرطبی علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی
احیاء دار التراث العربی۔ بیروت لبنان

9 تفسیر ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری
ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور

10 مفردات الفاظ القرآن العلامہ الراغب الاصفہانی
اسماعیلیاں۔ چاپ۔ نشر۔ قم۔ ایران

11	کتاب الشفاء	حضرت قاضی عیاض اندلس، مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور
12	ترجمان السنۃ	حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ادارہ اسلامیات۔ انارکلی لاہور
13	الموضوعات الکبیر	علامہ ملا علی قاری نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی
14	ریاض الصالحین	امام یحیی بن شرف الدین نووی قدیمی کتب خانہ۔ آرام باغ کراچی
15	کتاب الاثار	امام اعظم ابوحنیفہ النعمان بن ثابت کتب خانہ مجیدیہ۔ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
16	مقدمہ ابن خلدون	علامہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی کراچی
17	ابن خلدون	ڈاکٹر طہ حسین۔ مترجم مولانا عبدالسلام ندوی گلوب پبلشرز۔ اردو بازار لاہور
18	البدایہ والنہایہ	الامام الحافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی مطبعہ السعادہ مصر
19	اسباق تاریخ	مولانا وحید الدین خان فضلی سنز۔ لمیٹڈ اردو بازار کراچی
20	تاریخ مسلمانان عالم	پروفیسر محمد رضا خان علمی کتب خانہ۔ کبیر سٹریٹ اردو بازار لاہور
21	تمدن عرب	ڈاکٹر گستاؤلی بان
22	تذکرۃ الاولیاء	شیخ فرید الدین عطار، اسلامی کتب خانہ لاہور
23	روح تصوف	سید خورشید احمد گیلانی، فرید بک سٹال لاہور

24	ائمہ تلبیس	ابوالقاسم رفیق دلاوری، مکتبہ تعمیر انسانیت۔لاہور
25	معرکہ مذہب وسائنس	ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر۔مترجم مولانا ظفر علی خان الفیصل ناشران وتاجران کتب۔لاہور
26	کلیات اقبال	علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
27	مسدس حالی	مولانا الطاف حسین حالی خزینہ علم وادب۔الکریم مارکیٹ۔لاہور
28	دائرہ معارف اسلامیہ	دانش گاہِ پنجاب لاہور
29	ضیاء النبی	پیر محمد کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
30	مقالات	پیر محمد کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
31	انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مجلس نشریات اسلام۔ناظم آباد کراچی
32	اسلام اور مغربیت کی کشمکش	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مجلس نشریات اسلام۔ناظم آباد کراچی
33	اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو	ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، اسلامک پبلی کیشنز۔لمیٹڈ۔لاہور
34	اسباب زوال امت	علامہ اسلم جیراجپوری طلوع اسلام ٹرسٹ۔25۔بی گلبرگ لاہور
35	اسباب زوال امت	علامہ غلام احمد پرویز طلوع اسلام ٹرسٹ۔25۔بی گلبرگ لاہور

36	مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال	کیرن آرم سٹرانگ نگارشات۔24۔مزنگ روڈ، لاہور
37	امت مسلمہ عبرتناک حال تابناک ماضی	الحاج ظہور الحسن عالمی دعوت اسلامیہ۔ فصیح روڈ، لاہور
38	قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل	ڈاکٹر برہان احمد فاروقی سروسز بک کلب۔ بینک روڈ، راولپنڈی
39	عروج وزوال کا الٰہی نظام	مولانا محمد تقی امینی، مکی دارالکتب۔ سرور مارکیٹ اردو بازار لاہور
40	قرآن کا قانونِ عروج و زوال	مولانا ابوالکلام آزاد مکتبہ جمال۔ حسن مارکیٹ اردو بازار لاہور
41	امت مسلمہ کے مسائل اور انکا حل	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ادارہ معارف اسلامی۔ منصورہ لاہور
42	مسلمانوں کا عروج و زوال	مولانا سعید احمد اکبرآبادی ادارہ اسلامیات۔ انارکلی لاہور
43	رودکوثر	شیخ محمد اکرام ادارہ ثقافت اسلامیہ 2۔ کلب روڈ، لاہور
44	اسباب زوال امت	امیر البیان علامہ شکیب ارسلان، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
45	زوال ملت اور نشاۃ ثانیہ	سید واجد رضوی، مقبول اکیڈمی لاہور
46	عروج و زوال کا قانون اور پاکستان	ریحان احمد یوسفی، دارالتزکیر اردو بازار لاہور

47 مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان — علامہ عبدالوحید خان — دوست ایسوسی ایٹس۔ الفضل مارکیٹ۔ لاہور

48 قرآنی فلسفہ انقلاب — پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری — منہاج القرآن پبلی کیشنز۔ ماڈل ٹاؤن لاہور

حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی
یادگار تصانیف

تفسیر ضیاء القرآن (۵ جلد)
فہم قرآن کا بہترین ذریعہ
اہل دل کے لیے ایک نایاب تحفہ

ترجمۃ القرآن جمال القرآن
قرآن پاک کا انتہائی خوبصورت ترجمہ جس کے ہر لفظ سے اعجاز قرآن کا حسن نظر آتا ہے

سیرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب
ضیاء النبی (۷ جلد)
درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے معمور تصنیف

سنت خیر الانام
فتنہ انکار سنت پر تحقیقی اور تنقیدی کتاب

مقالات
مختلف علمی، دینی اور سیاسی موضوعات پر مقالات کا مجموعہ

قصیدہ اطیب النغم
خوبصورت نعتیہ قصیدہ کی پرسوز اور دلآویز شرح

مجموعہ وظائف دلائل الخیرات شریف
مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ و دیگر سلاسل کے معمولات اوراد و وظائف کا مجموعہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فون:
گنج بخش روڈ، لاہور 7221953-7220479
فیکس 7238010
۹۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور 7225085-7247350
۱۴۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی 2210212-2212011
2630411